حقیقی اسلام

تالیف منیف
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

قیمت -/8/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حقیقی اسلام

از تالیف منیف

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

مدظلہ العالی

بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حقیقی اِسلام

اسلام کی ابتدائی تاریخ :

اسلام اس مذہب کا نام ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے عرب
کے ملک میں ظاہر ہوا ۔ اسلام کے مقدس بانی کا نامِ نامی حضرت محمد صلعم تھا ۔ جو
قریشِ مکہ کے ایک معزز گھرانے میں ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے ۔ اس زمانہ میں آپ
کے قبیلہ کا مذہب بُت پرستی تھا اور آپ نے اسی ماحول میں پرورش پائی ۔ مگر
چونکہ طبیعت میں ابدی سعادت اور نبوت کا نور مخفی تھا ۔ اس لئے آپ کبھی بھی
شِرک کی نجاست میں ملوث نہیں ہوئے ۔ اور اسلام کے ظہور سے پہلے بھی ہمیشہ
ایک واحد لاشریک خدا کے متلاشی رہے ۔ جب آپ کی عمر چالیس سال کی
ہوئی تو اللہ تعالیٰ آپ پر الہام کے ذریعہ ظاہر ہوا ۔ اور آپ کو حکم دیا کہ شرک اور
بُت پرستی کے خلاف لوگوں کو بلائیں ۔ اس پر وہی جنگ و جدال کا سلسلہ شروع
ہوگیا ۔ جو ہمیشہ سے خدا کے نبیوں کے زمانہ میں ہوتا چلا آیا ہے ۔ آپ کے قبیلہ
نے آپ کی سخت مخالفت کی ۔ اور جن لوگوں نے آپ کو مانا ان کو بھی ہر طرح کی
اذیتیں پہنچائیں ۔ اور آپ کے لائے ہوئے مذہب کو جس کا نام اسلام تھا

مٹانے اور نیست و نابود کرنے کیلئے طرح طرح کی تدبیریں کیں۔ مگر آپ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہر طرح کا دکھ اٹھا کر خدا کا پیغام پہونچایا۔ اور آپ کے صحابہ نے بھی ہر قربانی کو خوشی سے برداشت کیا مگر اپنے آقا کا دامن نہ چھوڑا۔

آخر جب قریش کے مظالم انتہا کو پہونچ گئے اور انہوں نے بعض بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر دیا اور آنحضرت صلعم کے قتل کی بھی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ کی تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد اجازت دی کہ آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مدینہ بھی عرب ہی کا ایک شہر تھا۔ جو مکہ سے دو سو میل شمال کی طرف واقع تھا۔ اور اس میں عرب کے بعض دوسرے قبیلے آباد تھے۔ اس اجازت پر آپ مکہ سے رات کے وقت خفیہ خفیہ نکل کر مدینہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک جماعت دی اور ایک گونہ امن کی زندگی نصیب ہوئی۔ مگر ظالم قریش نے وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور عرب کے دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف اکسا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور پھر سب نے مل کر تلوار کے زور سے اسلام کو مٹانا چاہا۔ جب نوبت یہاں تک پہونچی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو بھی اجازت عطا فرمائی۔ کہ وہ خود حفاظتی کے طور پر اُن کفار کا مقابلہ کریں۔ جو آپ کے خلاف تلوار لیکر نکلے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی مٹھی بھر جماعت کو لیکر ان ظالموں کا مقابلہ کیا۔ اور چونکہ آپ کے ساتھ حق و صداقت کی روشنی تھی اور خدا کی نصرت کا مخفی ہاتھ آپ کی تائید میں تھا۔ اور آپ کے صحابہ میں ایمان کی برقی طاقت موجود تھی۔ اس لئے باوجود انتہائی بے سروسامانی اور قلت

تعداد کے خدا نے آپ کو خارق عادت رنگ میں فتح دی۔ اور ابھی آپ کو
مدینہ میں آئے ہوئے صرف آٹھ سال ہوئے تھے کہ مکہ نے آپ کیلئے اپنے
دروازے کھول دئے۔ اسوقت آپ چاہتے تو ایک فاتح کی حیثیت میں سب
رؤسائے مکہ کو تہ تیغ کر سکتے تھے۔ اور وہ اپنی خون آشام کارروائیوں کی وجہ سے
اس سزا کے مستحق بھی تھے۔ مگر آپ نے اس خدائی رحمت کا ثبوت دیا جو آپ کی بعثت
کی محرک تھی۔ اور اپنے بیگناہ صحابہ کے قاتلوں سے فرمایا کہ جاؤ میں تمہیں معاف
کرتا ہوں۔ یہ نسلِ انسانی کی تاریخ کا ایک ایسا سنہری ورق ہے جس کی نظیر کسی
دوسری جگہ نہیں ملتی۔

فتح مکہ کے بعد چونکہ عرب میں مخالفت کا زور ٹوٹ چکا تھا اور جو لوگ
اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کیلئے اٹھے تھے وہ سب مغلوب ہو چکے تھے۔
اسلئے اسلام کی دلکش تعلیم کا اہل عرب پر ایسا مقناطیسی اثر ہوا کہ انہوں نے بہت
تھوڑے عرصہ میں ہی شرک سے توبہ کر کے اسلام کو قبول کر لیا۔ اور جب فتح مکہ
کے دو سال بعد سنہ ۱۱ھ یعنی سنہ ۶۳۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
ہوئی تو اسوقت سارا عرب اسلام کی غلامی میں آچکا تھا۔ اور ملک کے ایک سرے
سے لیکر دوسرے سرے تک اللہ اکبر کی آواز بلند تھی۔ اسطرح خدا نے آنحضرت
صلعم کو وہ کامیابی عطا فرمائی جو دنیا کی تاریخ میں حقیقۃً بے نظیر ہے۔ اور آپ کی
قوتِ روحانی کے اثر کے ماتحت عرب کے وحشی لوگوں نے اپنی زندگیوں میں ایسا
حیرت انگیز تغیر پیدا کیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ انسانیت کے ادنیٰ ترین
درجہ سے اٹھ کر کمالاتِ انسانی کی بلند ترین چوٹیوں تک پہونچ گئے۔ اور ایک دنیا

قوم کی بجائے ایک اعلیٰ درجہ کی با اخلاق اور باخدا قوم بن گئے اور علم وفضل میں بھی انہوں نے ایسی ترقی کی کہ وہ قوم جو چند سال پہلے جہالت میں ضرب المثل تھی اب ساری دنیا کی استاد بن گئی اور سیاسی لحاظ سے بھی عرب لوگ ایسے پھیلے کہ دنیا کے بیشتر حصہ پر چھا گئے۔ اور یورپ کا بہت سا حصہ بھی اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اہل یورپ نے مسلمانوں کے زیر اثر آکر اور ان کے تہذیب وتمدن اور لٹریچر سے متاثر ہو کر اپنی صدیوں کی نیند سے کروٹ بدلی اور جہالت اور تاریکی کو چھوڑ کر علم اور روشنی کا رستہ اختیار کیا۔ چنانچہ یورپ کے تمام غیر متعصب مورخ اس بات کے معترف ہیں کہ ہماری بیداری کا بڑا باعث مسلمان ہوئے ہیں[1]۔ مگر افسوس کہ اس کے بعد خود مسلمان اسلام کی تعلیم کو چھوڑ کر گرنا شروع ہو گئے حتیٰ کہ آہستہ آہستہ وہ وقت آیا کہ وہ دنیا کی بڑی قوموں میں سب سے پست شمار ہونے لگے۔ اور دین کے بگاڑ کے ساتھ ان کی دنیا بھی بگڑ گئی۔

قرآن شریف:

آنحضرت صلعم کی تئیس ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں جو کلامِ الٰہی آپ پر آہستہ آہستہ نازل ہوا اس کا نام قرآن شریف ہے۔ اور یہی وہ مقدس صحیفہ ہے جو خدا کی آخری شریعت کا حامل ہے۔ یہ ایک نہایت عجیب وغریب کتاب ہے اور گو اس کے سطحی معنی بالکل سادہ اور صاف ہیں۔ مگر اس کی گہرائیوں میں جانے کے لئے بڑے غور وخوض اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اور جو شخص اس کی گہرائیوں تک

[1] دیکھو ڈریپر لین وغیرہ

رستہ پالیتا ہے وہ ان معارف کے خزانوں کو دیکھکر دنگ رہ جاتا ہے۔ جو اس چھوٹی سی کتاب کے اندر مخفی ہیں لیکن اس کا صحیح اور گہرا علم حاصل کرنیکے لئے صرف ظاہری علم اور ظاہری کوشش ہی کافی نہیں بلکہ دل کی طہارت اور پاکیزگی بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن ایک قدوس ہستی کا کلام ہے۔ اور قدوس ہستی کے کلام کی سمجھ ایک ناپاک دل کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

اسلامی تعلیم کا اصل الاصول :—

قرآنی تعلیم کا خلاصہ چند لفظوں میں آجاتا ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ :-

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یعنی "اللہ ایک ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلعم خدا کے رسول ہیں۔ جن کے ذریعہ اس نے اپنی شریعت نازل کی ہے۔"

قرآنی تعلیم کا یہ ایک ایسا جامع اور مانع خلاصہ ہے کہ دوسرا کوئی مذہب اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ ان الفاظ میں واقعی اور سچ مچ اسلام کا نچوڑ آجاتا ہے۔ جو یہی ہے کہ خدا کو ایک یقین کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نہ بُت کو نہ انسان کو۔ نہ جانور کو نہ حیوان کو۔ نہ سورج کو نہ چاند کو۔ نہ پہاڑ کو نہ دریا کو۔ نہ مال کو نہ دولت کو۔ نہ دوست کو نہ عزیز کو۔ نہ ملک کو نہ قوم کو۔ بلکہ ایک واحد خدا کی پرستش کرو جس نے ساری دنیا کو پیدا کیا ہے جو خالق ہے اور مالک ہے اور رزاق ہے۔ وہ قدیر ہے اور کوئی بات اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ وہ علیم ہے اور کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ ہمارا جسم اور ہماری روح اور ہمارا ہر ذرہ

اور اس کی ہر طاقت اسی کی پیدا کردہ ہے۔ اور اسی کے سہارے پر قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ وہ کھانے اور پینے اور سونے اور آرام کرنے اور شادی کرنے اور بیٹا جننے سے پاک ہے وہ دیکھتا ہے بغیر ظاہری آنکھوں کے اور سُنتا ہے بغیر ظاہری کانوں کے اور بولتا ہے بغیر ظاہری زبان کے اور پکڑتا ہے بغیر ظاہری ہاتھوں کے۔ وہ لطیف ہے اور نظروں سے پوشیدہ۔ وہ غیر محدود ہے اور شکل و صورت کی قیود سے بالا۔ مگر وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر بات کو سُنتا ہے اور اس کی کوئی صفت معطل نہیں۔ وہ ایک محبت کرنے والا مہربان خدا ہے اور اس کی محبت کو کوئی دوسری محبت نہیں پہونچتی نہ باپ کی نہ ماں کی۔ نہ خاوند کی نہ بیوی کی۔ نہ بھائی کی نہ بہن کی۔ نہ دوست کی نہ عزیز کی مگر وہ ایک حکیم اور دانا خدا ہے۔ اور جب کوئی شخص اپنے خبث اور شرارت میں انتہا کو پہونچ جاتا ہے تو وہ اسے اصلاح کی غرض سے پکڑتا اور سزا بھی دیتا ہے۔ لیکن وہ ایک کینہ ور خدا نہیں بلکہ جب کوئی شخص اس کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ جھکتا ہے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ اور سچّی توبہ کو جو اصلاح کی موجب ہو ردّ نہیں کرتا۔ یہ وہ خدا ہے جسے اسلام نے پیش کیا اور آنحضرت صلعم نے دنیا کو اس کی بشارت پہونچائی۔

اسلامی کلمہ کا دوسرا حصہ آنحضرت صلعم کی رسالت کیساتھ تعلق رکھتا ہے یعنی اسلام یہ سکھاتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانے اور اسکی توحید کے قائل ہونے کے علاوہ تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی ایمان لاؤ۔ یعنی یہ یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم خدا کے سچے نبی اور رسول ہیں اور جو پیغام وہ خدا کی طرف سے لائے ہیں وہ حق و راستی کا پیغام ہے۔ جس کی اطاعت ہر مسلمان

پر واجب ہے۔ اور کوئی شخص آپ کی حکم عدولی کر کے خدا کا فرمانبردار نہیں کہلا سکتا کیونکہ آپ کا پیغام خدا کا پیغام ہے اور آپ کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ رسالت کا یہ مقام شرک میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ توحید کی حفاظت کے لئے ایک نہایت ضروری انتظام ہے کیونکہ حقیقی توحید کا سبق صرف نبیوں کے واسطے سے ملتا ہے اور جو شخص اس واسطے کو ترک کرے وہ حقیقی توحید کے مقام سے گر جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم اگر خدا تعالیٰ کے پیارے بندے بننا چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ کے نقشِ قدم پر چلو کیونکہ اس نے ہمارے راستے کی باریکیوں کو دیکھا ہوا ہے۔ اور اس کے پیچھے لگ کر تم بھٹکنے سے محفوظ رہو گے۔ اسلام یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم تمام نبیوں کے سردار ہیں۔ اور آپ کے وجود میں سلسلہ رسالت اپنی تکمیل کو پہونچ گیا ہے۔ اور اسی لئے آپ کو آخری شریعت عطا کی گئی جس کے بعد نسلِ آدم کیلئے کوئی اور شریعت نہیں۔

اسلام اور دیگر مذاہب میں اصولی فرق :۔

دیگر مذاہب کے متعلق اسلام کی پوزیشن مخالفت کی نہیں بلکہ فی الجملہ تصدیق کی ہے کیونکہ گذشتہ نبیوں کے متعلق جن کی صداقت دنیا میں مسلّم ہو چکی ہے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے اور اسکی طرف سے اپنے اپنے زمانہ کی ہدایت کیلئے مبعوث کئے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے وقت میں دنیا کو روشنی پہونچائی اور خدا کی معرفت کا سبق دیا۔ مگر ان

کی رسالت کا دائرہ خاص خاص زمانوں اور خاص خاص قوموں کیساتھ محدود تھا۔ اور ساری دنیا کے لئے اور سارے زمانوں کیلئے نہیں تھا۔ اسلئے اب ان کی رسالت کا دَور ختم ہے لیکن آنحضرت صلعم کی رسالت ساری دنیا کیلئے تھی اور آپ کا پیغام سارے زمانوں پر وسیع تھا اس لئے آپ کا دَور قیامت تک چلیگا اور ختم نہیں ہوگا پہلے نبیوں کے دور کو اس لئے محدود رکھا گیا کہ اس وقت تک ابھی نوع آدم کی ذہنی اور تمدنی ترقی ابتدائی حالت میں تھی۔ اور نسلِ انسانی ابھی تک اس درجہ کو نہیں پہونچی تھی کہ اس کیلئے ایک کامل اور آخری شریعت نازل کی جاوے پس اس ماہر ڈاکٹر کی طرح جو بیمار کی حالات کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے خدا نے اُس زمانہ میں الگ الگ قوموں کیلئے وقتی اور عارضی شریعتیں نازل فرمائیں لیکن جب وہ وقت آیا کہ تمام دنیا ایک ملک کے حکم میں آنے لگی اور ان کی ذہنی اور تمدنی ترقی اس نکتہ کو پہونچ گئی کہ وہ ایک کامل اور دائمی شریعت کی متحمل ہوسکیں جو ساری قوموں اور سارے زمانوں کیلئے وسیع ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کرکے ایک مشترک اور کامل شریعت نازل فرمادی مگر اس میں بھی قوموں اور زمانوں کے اختلاف کو کلّی طور پر نظر انداز نہیں کیا بلکہ ایک اصولی اشتراک قائم کرکے تفصیلات میں ایسی تعلیم پیش کی جو وقتی اور قومی حالات کے ماتحت مختلف صورتیں اختیار کرسکتی ہے۔

مثلاً اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے مگر اس بات کا حکم نہیں دیا کہ ہر شخص ضرور ہر حال میں ایک سے زیادہ شادی کرے بلکہ اسے افراد اور قوموں اور ملکوں کے حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ ان کے حالات جس بات کے متقاضی ہوں وہ انہیں مناسب قیود کے ماتحت اختیار کرسکتے ہیں اس اصولی تعلیم کے ماتحت اگر کوئی فرد

اپنے لئے خاص حالات میں دوسری شادی ضروری خیال کرے مثلاً اس کے اولاد نہ ہو اور وہ حصولِ اولاد کیلئے دوسری شادی کرنا چاہے یا کوئی قوم جو قلتِ تعداد کی وجہ سے تباہی کے کنارے پر پہونچ رہی ہو وہ اپنی نسلی ترقی کے لئے تعدد ازدواج کو اختیار کرنا چاہے تو اسلامی تعلیم کے ماتحت اس کیلئے رستہ کھلا ہے۔ اور ان حالات میں کسی دانا عورت کو محض جذبات سے متاثر ہو کر اس ضروری قربانی سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔

اسی طرح مثلاً بعض گزشتہ نبیوں کی تعلیم میں صرف انتقام پر زور دیا گیا ہے اور بعض نبیوں کی تعلیم میں صرف عفو پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی یہ وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ان کی قوموں کے حالات اس مخصوص تعلیم کے متقاضی تھے۔ یعنی اگر کوئی قوم پست ہو کر گر گئی اور ان میں بزدلی اور دنائت پیدا ہو گئی اور غیرت کا جذبہ مرٹ گیا تو انہیں اوپر اٹھانے کی غرض سے انتقام پر زور دیا گیا۔ اور عفو سے روک دیا گیا۔ تاکہ ان کے اندر خود داری کا جذبہ اور عزّتِ نفس کا احساس پیدا ہو اور اگر کوئی قوم سخت دل ہو گئی اور نرمی اور درگذر کی صفت کو کھو بیٹھی تو اس کیلئے انتقام کا دروازہ بند کر کے صرف عفو پر زور دیا گیا تاکہ اس کے اندر شفقت اور رأفت کا جذبہ پیدا ہو۔ مگر اسلام کی تعلیم چونکہ ساری قوموں اور سارے زمانوں کے واسطے تھی اسلئے اس میں اخلاق کی جڑ پر ہاتھ رکھکر یہ اصولی ہدایت دی گئی کہ انتقام اور عفو دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اچھی چیزیں ہیں اور انسانی اخلاق کی درستی کے لئے دونوں ضروری ہیں۔ پس جہاں حالات اس بات کے متقاضی ہوں کہ مجرم سے انتقام لیا جائے وہاں انتقام لینا چاہیئے۔ اور جہاں

عفو کرنا مناسب ہو اور اس کے نتیجہ میں اصلاح کی صورت پیدا ہوتی ہو تو وہاں عفو سے کام لینا چاہیئے۔ اسی طرح دوسرے کئی مسائل میں اسلام نے متوازی اور متقابل ہدایات دی ہیں جن میں یہی غرض مدنظر ہے کہ پیش آمدہ حالات کے ماتحت مناسب رستہ اختیار کیا جا سکے۔ مگر اصولی اور اہم امور میں ایک واحد اور مشترک شریعت بیان کر کے اتحاد و اتفاق کی صورت بھی قائم کر دی گئی ہے۔

ایک اور فرق اسلامی شریعت اور سابقہ شریعتوں میں یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وقت چونکہ بنی نوع آدم کا علم ایک ابتدائی حالت میں تھا اس لئے اس وقت کی شریعتوں نے انسانی اعمال میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دخل دیا ہے اور بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی شریعت کے دائرہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی شریعت میں اس طریق کو بدل کر صرف اہم باتوں کے بیان کر دینے پر اکتفاء کی گئی ہے۔ اور ایسی تفصیلات میں جن میں انسان خود اپنی عقل اور علم سے ایک اچھا راستہ تجویز کر سکتا ہے۔ اسے آزاد رہنے دیا گیا ہے۔ تاکہ اسے بلاوجہ تنگی محسوس نہ ہو۔ اور اس کے دماغی نشوونما کے لئے راستہ کھلا رہے مثلاً اکثر پرانی شریعتوں میں اس بات کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔ کہ عبادت کی جگہ کیسی ہونی چاہیئے اور اسے کس طرح پاک و صاف کیا جائے۔ اور انسانی جسم کو کس طرح صاف رکھا جائے وغیرہ وغیرہ مگر شریعت اسلامی نے نسلِ انسانی کے ترقی یافتہ حالات کے ماتحت ان امور میں ایک اصولی تعلیم دے کر تفصیلات کے فیصلہ کو خود لوگوں کی عقل اور ان کے حالات پر چھوڑ دیا ہے۔

اسی طرح اسلامی شریعت اور سابقہ شریعتوں میں ایک فرق یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں میں چونکہ انسانی ذہن کی نشوونما کامل نہیں تھی اور انسان خدا کی ساری صفات کا نقشہ سمجھنے کے قابل نہیں تھا اسلئے صرف چند صفات کا علم دیا گیا۔ اور انہیں بھی ایسے استعاروں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جسے اس وقت کا اوسط انسانی دماغ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا تھا۔ مثلاً بہت سی سابقہ شریعتوں میں انسان کے ساتھ خدا کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے خدا کو بطور اب یعنی باپ کے پیش کیا ہے لیکن اسلامی شریعت میں آکر خدا کی ساری صفات کا مکمل ظہور ہو گیا اور خدا کا وجود اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوا اور باپ وغیرہ کے استعارے چھوڑ کر جن کے ساتھ ہمیشہ شرک کے خطرہ کا امکان رہتا تھا الوہیت کے صحیح نقشہ کو پیش کیا گیا۔ چنانچہ اب کے لفظ کی جگہ رب کی صفت رکھی گئی جو اب کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور بہت گہرے تعلق پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اب کے معنے تو صرف اسی حد تک محدود ہیں کہ دو نر و مادہ آپس میں ملیں اور ایک تیسری چیز پیدا ہو جائے خواہ اس کے بعد اس تیسری چیز کا اپنے باپ کے ساتھ کوئی تعلق قائم رہے یا نہ رہے۔ جیسا کہ عموماً حیوانات اور ادنے درجہ کے انسانوں میں ہوتا ہے۔ مگر رب سے مراد ایک ایسی ہستی ہے جو ایک چیز کو نیست سے ہست میں لائے۔ پھر اس کی پرورش کا سامان مہیا کرے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور اس کی زندگی کے ہر دور میں اس کی محافظ ہو۔ اور ہر دور کی ضروریات کو بصورت احسن پورا کرے۔ اور پھر اسے درجہ بدرجہ اعلےٰ کمالات تک پہونچائے

یہ ایک ایسا اعلیٰ اور وسیع مفہوم ہے جس کے ساتھ اب کے ادنیٰ اور محدود مفہوم کو کوئی بھی نسبت نہیں۔ اسی طرح کئی اور بھی فرق ہیں جو اسلامی شریعت اور سابقہ شریعتوں میں پائے جاتے ہیں مگر اس مختصر رسالہ میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

اسلامی عبادات:

عبادات میں اسلام نے چار عبادتوں پر خاص زور دیا ہے یعنی نماز روزہ حج اور زکوٰۃ۔ اسلام میں نماز ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ اور اس کے ارکان بھی ایسے مقرر کئے گئے ہیں کہ جو دعا اور ذکرِ الٰہی کی صحیح کیفیت پیدا کرنے میں نہایت درجہ مؤثر ہیں یقیناً خدا تعالیٰ کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرانے میں نماز ایک نہایت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ اور اگر اسے پوری شرائط کے ساتھ ادا کیا جاوے تو وہ انسان کے دِل کو پاک و صاف کرنے اور اسے خدا کی محبت کا مرکز بنانے میں اکسیر ثابت ہوتی ہے اور انسان کی روحانی ترقی کیلئے ایک بہت بھاری ذریعہ ہے۔ اسی لئے اسلام نے دن رات میں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے تاکہ جو زنگ انسان کے دِل پر دُنیا کے کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے لگتا رہتا ہے وہ بار بار دُھلتا رہے۔ اور خدا تعالیٰ کا تعلق کمزور نہ ہونے پائے۔ نماز کیلئے مختلف دعائیں مقرر ہیں جو اس کے مختلف حصوں میں مانگی جاتی ہیں۔ مگر اس بات کی اجازت ہے بلکہ تحریک کی گئی ہے کہ مقررہ دعاؤں کے علاوہ انسان اپنی زبان میں بھی دُعائیں مانگے۔ نماز کی اصل جگہ مسجد ہے مگر سفر میں یا دوسرے خاص حالات میں

کسی صاف جگہ میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح نماز کا اصل طریق یہ ہے کہ جماعت کیساتھ ادا کی جاوے مگر کسی مجبوری کی وجہ سے منفرد صورت میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

دوسری عبادت روزہ ہے۔ یہ عبادت دُہری غرض رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ تا اس ذریعہ سے نفسانی لذّات کمزور ہو کر رُوحانی ترقی کا دروازہ کھلے دوسرے یہ کہ انسان کو بھوک اور تکلیف برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو۔ اور وہ اپنے غریب ہم جنسوں کی تکلیف کو سمجھ کر اُن کے ساتھ ہمدردی کر سکے روزہ میں صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی کے ساتھ مخصوص تعلقات کرنے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے روزہ کا عملی تجربہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کی جسمانی اور اخلاقی اور رُوحانی اصلاح کیلئے وہ کس قدر مؤثر ہے۔ اسلام نے سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کئے ہیں لیکن چونکہ روزہ میں ایک پہلو تکلیف اور مشقت کا بھی رکھا گیا ہے اسلئے بیماروں اور مسافروں کیلئے یہ سہولت کر دی گئی ہے۔ کہ وہ بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ ترک کر کے دوسرے اوقات میں اسکی تلافی کر سکتے ہیں۔

تیسری عبادت حج ہے۔ اس کے لئے اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر انسان میں جسمانی اور مالی لحاظ سے طاقت ہو اور اس کیلئے رستہ بھی مخدوش نہ ہو تو وہ اپنی عمر میں کم از کم ایک دفعہ مکہ میں جا کر خانہ کعبہ کا طواف اور دوسری مقررہ عبادات سرانجام دے۔ کعبہ دُنیا کی سب سے پُرانی عبادت گاہ ہے

اور اس کے ساتھ خدا کے بعض خاص برگزیدہ نبیوں کے واقعاتِ زندگی وابستہ ہیں اور اس کی روایات میں قربانی کا ایک خاص رُوح پرور عنصر پایا جاتا ہے۔ اور پھر مکہ کا شہر آنحضرت صلعم کا مولد اور مقامِ بعثت بھی ہے اس لئے عمر بھر میں ایک دفعہ اس مقدس جگہ کی زیارت مقرر کی گئی ہے تاکہ ایک مسلمان کے دل و دماغ میں اس کی قدیم اور مقدس روایات تازہ ہو کر زندگی کا تازہ خون پیدا کر دیں۔ حج میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تا اس ذریعہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو اکٹھے ہو کر آپس میں تعارف پیدا کرنے اور مشترک اسلامی امور میں تبادلۂ خیالات کرنے کا موقعہ میسر آتا رہے۔

چوتھی عبادت زکوٰۃ ہے یعنی اسلام نے انسان کے اموال پر ایک خاص شرح کے ساتھ ایک خاص چندہ یا ٹیکس مقرر کر دیا ہے۔ اور اس چندہ کے متعلق یہ ہدایت دی ہے کہ وہ غرباء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کیا جاوے۔ اس انتظام میں بھی دُہری غرض مدّنظر ہے۔ ایک تو یہ کہ امراء کو خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کی عادت پیدا ہو اور وہ اپنے اموال کے استعمال میں بالکل آزاد نہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ کمزور اور غریب لوگوں کی امداد کا ایک مستقل انتظام قائم ہو جاوے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جس سے امیروں کی دولت کو کاٹ کر غریبوں کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ملک کی دولت کو سمونے کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔

حقوق العباد کے متعلق اسلامی تعلیم:

حقوق العباد کے معاملہ میں بھی اسلام نے ایک نہایت اعلیٰ اور وسطی

تعلیم دی ہے اور افراد اور اقوام کے درمیان عدل وانصاف کے ترازو کو پوری طرح قائم رکھا ہے مثلاً غیر قوموں کیساتھ معاملہ کرنیکے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً۔[1] "یعنی اے مسلمانو تمہیں چاہیئے کہ اپنے تمام عہدوں کو پورا کیا کرو کیونکہ تمہیں اپنے عہدوں کے متعلق خدا کے سامنے جواب دِہ ہونا پڑے گا۔" پھر فرماتا ہے لایجرمنکم شنأن قوم علیٰ ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔[2] "یعنی کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف کا طریق ترک کردو بلکہ تمہیں چاہیئے کہ ہر حال میں دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا معاملہ کرو۔ کیونکہ یہی تقوےٰ کا تقاضا ہے۔"

افراد کے حقوق کے متعلق اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ سب سے پہلے تو اخوت اور مساوات کے اصول کو قائم کیا ہے یعنی حکم دیا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور جہاں تک حقوق کا تعلق ہے کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر فوقیت حاصل نہیں بلکہ جو شخص بھی اپنی ذاتی خوبیوں اور ذاتی کمالات سے آگے نکل جاوے وہ دوسروں کیلئے جائے ادب ہے پس اسلام میں حقوق کے معاملہ میں کوئی نسلی یا قومی یا خاندانی امتیاز نہیں بلکہ سب برابر ہیں۔ اسیطرح اسلام میں ذات پات کا کوئی سوال نہیں اور نہ ہی مذہبی پیشوائی اور مذہبی تعلیم کیلئے کوئی خاص جماعت یا خاص طبقہ مقرر ہے بلکہ ہر شخص کیلئے ہر میدان میں ترقی کا راستہ کھلا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل۔ ۴ [2] مائدہ۔ ۲

مرد اور عورت کے درمیان بھی اسلام نے حقیقی انصاف قائم کیا ہے ۔ یعنی ایک طرف ان کے طبعی فرق کو تسلیم کیا ہے ۔ اور دوسری طرف حقوق کے معاملہ میں ان کو برابر رکھا ہے ۔ مگر چونکہ عورت میں بعض فطری کمزوریاں پائی جاتی ہیں ۔ اس لئے انتظامی لحاظ سے مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے ۔ لیکن ساتھ ہی مرد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عورت کے ساتھ نرمی اور شفقت اور محبت کا معاملہ کرے ۔ اسی طرح اسلام نے عورت کے لئے ورثہ کا حق بھی تسلیم کیا ہے ۔ اور اسے اپنے نام پر جائداد پیدا کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا ہے

تقسیم ورثہ کے معاملہ میں اسلام نے اس گندے اصول کو تسلیم نہیں کیا کہ صرف بڑے لڑکے کو ورثہ دیا جائے ۔ یا یہ کہ صرف نرینہ اولاد کو ورثہ ملے اور لڑکیاں محروم رہیں ۔ بلکہ ساری اولاد کو ورثہ کا حق عطا کیا ہے ۔ اور اس طرح دولت کی منصفانہ تقسیم کی بنیاد قائم کر دی ہے ۔ یہ جھوٹا اصول کہ ورثہ کے تقسیم ہو جانے سے خاندان کی حیثیت گر جاتی ہے ۔ دنیا میں بڑی تباہی اور بڑی بے انصافی کا باعث ہوا ہے ۔ اس لئے اسلام نے اسے شروع سے ہی تسلیم نہیں کیا ۔ اور ساری اولاد کو برابر حصہ دے کر انہیں زندگی کی کشمکش میں ایک لیول پر کھڑا کر دیا ہے ۔

اسلام نے سود کو بھی ناجائز قرار دیا ہے ۔ کیونکہ اول تو اس سے انسانی اخلاقِ ہمدردی اور مواسات کو سخت صدمہ پہونچتا ہے ۔ دوسرے اس میں انسان کو اپنی طاقت سے بڑھ کر قرض اٹھانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے جو سخت مہلک

ہے۔ تیسرے اس کی وجہ سے افراد اور اقوام کے درمیان جنگ وجدال کا دروازہ کھلتا ہے۔ پس اسلام نے سود کو منع کر کے صرف سادہ تجارت کی اجازت دی ہے۔ اور سود لینے اور دینے والے ہر دو کو گنہگار قرار دیا ہے۔ بیشک موجودہ زمانہ میں سود کے جال کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے یہ نظر آتا ہے کہ شاید سود کے بغیر گذارہ نہیں چل سکتا۔ مگر یہ صرف نظر کا دھوکا ہے۔ جو موجودہ زہریلے ماحول کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ جب مسلمان نصف دنیا سے زاید حصہ پر حکمران تھے۔ اُس وقت سود کے بغیر گذارہ چلتا ہی تھا۔

اسلام نے شراب کے استعمال کو بھی روکا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کی اعلےٰ دماغی طاقت کو صدمہ پہونچتا ہے۔ بیشک اس سے ایک عارضی تحریک اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب کے بعض فوائد کو قرآن شریف نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مگر مستقل نتیجہ بہر حال ضرر رساں ہے۔ اور اسکے استعمال کی کثرت سے انسان کی عقل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک مدہوش آدمی انسان کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔ اور چونکہ شراب ان چیزوں میں سے ہے۔ جن کا تھوڑا استعمال بڑے استعمال کی طرف کھینچتا ہے۔ اور اس کی عادت کو اختیار کر کے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ انسان اس کی کثرت کی طرف نہ جھک جاوے اور درمیانی حدبندی کی کوئی ضمانت نہیں۔ اس لئے اسلام نے شراب کے قلیل اور کثیر دونوں حصوں کو منع کیا ہے

اور اس گندی عادت کو جڑ سے اکھیڑنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح شراب کے استعمال سے فضول خرچی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ اور کئی لوگ محض اسی عادت کی وجہ سے اپنے ذرائع سے زیادہ خرچ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہی حال جوئے کا ہے۔ جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک اتفاق کی کھیل ہے۔ جس میں انسان کی کسی محنت یا ہنر کا دخل نہیں ہوتا۔ اور اگر انسان کو ایسی باتوں میں پڑنے کی اجازت دی جاوے تو وہ حلال اور محنت کی روزی کمانے کی بجائے اپنے وقت کو بیہودہ طور پر ضائع کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور مال کی ناواجب طمع پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام نے قتل چوری ڈاکہ فساد جھوٹ دغا خیانت بدنظری زنا رشوت وغیرہ سے منع کیا ہے اور راستی دیانت وفاداری انصاف امن پسندی غربا پروری ادب اور شفقت وغیرہ کی تعلیم دی ہے اور ان اخلاق کی ایسی تفاصیل بیان کی ہیں جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس جگہ زیادہ تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک حکم اسلام میں پردہ اور غضِ بصر کا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کوئی عورت ایسے اجنبی لوگوں کے سامنے آئے جن کے ساتھ اس کا قریبی رشتہ نہیں ہے تو وہ اپنی زینت کو چھپا کر رکھے اور غیر محرم مرد و عورت دونو ایک دوسرے کے سامنے اپنی نظروں کو نیچا رکھیں۔ اور

ایک دوسرے کی طرف بے حجابانہ اور آزادانہ نظر نہ اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح بسا اوقات دل میں ناپاک خیالات پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ بیشک بعض خاص لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کے دل میں ناپاک خیالات پیدا نہیں ہوتے لیکن چونکہ قانون کی بنیاد کثرت پر ہے اس لئے اسلام نے اس حکیمانہ حکم کے ذریعہ بدی کی جڑ کو کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ اور دنیا کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ مرد عورت کا آزادانہ میل جول اکثر صورتوں میں خراب نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ مگر باوجود پردہ کی حدبندی کے اسلام نے عورت کو گھر کی چار دیواری کے اندر قید نہیں کیا۔ بلکہ اسے اجازت دی ہے کہ زینت کے برملا اظہار سے رکتے ہوئے حسب ضرورت گھر سے نکل کر دین و دنیا کے کاموں میں حصہ لے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ہر وقت تبلیغ میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ نسلی ترقی کے علاوہ تبلیغ کے ذریعہ بھی قومی ترقی کا رستہ کھلا رہے۔ مگر اس حکم میں اصل غرض محض تعداد کی ترقی نہیں بلکہ اس حکم کی اصل بنیاد یہ ہے کہ جو صداقت اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ دوسروں تک بھی پہونچائی جائے۔ اور اسلام کے نور سے دوسروں کو بھی منور کیا جائے۔ تاکہ خدا کے بھٹکے ہوئے بندے پھر خدا کے رستہ پر آجائیں۔ اس تبلیغ میں کوئی قومی یا نسلی امتیاز

نہیں بلکہ ہر شخص اسلام کو قبول کر کے وسیع اسلامی اخوّت
میں برابر کا شریک بن سکتا ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت:

چونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس لئے اس نے
نظام حکومت کے بارہ میں زیادہ تفصیلی دخل نہیں دیا۔ بلکہ چند
اصولی ہدایات دیکر تفصیلات کے فیصلہ کو مختلف قوموں اور
مختلف ملکوں کے حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ اصولی ہدایات جو
اس بارے میں اسلام نے دی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ
حکومت کا اصلی اور طبعی حق جمہور کو حاصل ہے۔ البتہ چونکہ
نظام حکومت کو چلانے کے لئے ایک محدود اور مرکزی انتظام
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے لوگوں کو ہدایت دی گئی ہے
کہ وہ اپنے میں سے کسی اہل اور قابل شخص کو منتخب کر کے اس
کو اپنا امیر بنالیں۔ لیکن جب ایک شخص امیر بن جاوے تو پھر
سب لوگ اس کی پوری پوری اطاعت کریں۔ دوسری طرف
امیر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ حکومت کے معاملہ میں لوگوں
سے مشورہ لیتا رہے۔ اور مشورہ کے ساتھ نظامِ حکومت کو
چلاوے۔

انسانی پیدائش کی غرض و غایت:

انسانی پیدائش کی غرض و غایت کے متعلق اسلام نے یہ تعلیم

دی ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ عبادت سے یہ مراد نہیں کہ انسانی پیدائش کی غرض و غایت صرف نماز روزہ تک محدود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کو اس کے موجودہ ماحول میں اور موجودہ طاقتوں اور موجودہ ضروریات کے ساتھ نہ پیدا کیا جاتا۔ جہاں اسے بہت سے دوسرے کاموں میں لازماً پڑنا پڑتا ہے۔ پس اسلامی اصطلاح میں عبادت سے یہ مراد ہے کہ خدا نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی ہستی کو پہچانے۔ اور پھر اس کی صفات کو اپنے اندر لے کر اور اس کا ظل بن کر ایک مفید اور نفع مند وجود کی صورت میں دنیا میں ترقی کرے۔ اعلےٰ اخلاق کا صحیح معیار سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گذاری جائے۔ اور جو رستہ خدا نے انسان کے لئے مقرر کر دیا ہے اس پر چل کر ترقی کی جاوے۔ اسی تعریف میں دین اور دنیا دونو کے رستے شامل ہیں۔ پس اسلام کی رُو سے انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہی ہے کہ وہ خدا کا بندہ بن کر اس کی مرضی کو پورا کرے۔ دین کے رستے میں خدا پر سچا ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق ہو اور اس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور دنیا کے رستے میں افراد اور قوموں کے حقوق کو خدا کے منشاء کے مطابق ادا کیا جائے۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خدا کی خاطر اچھی نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ڈالتا ہے تو وہ بھی

ایک عبادت ہے۔ اس معنی میں ہر نیک اور اچھا عمل جو خدا کی خاطر کیا جائے ایک عبادت ہے اور انسان کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

موت کے بعد دوسری زندگی:۔

انسانی زندگی کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے **ایک** اس دنیا کی زندگی جو دارالعمل ہے **دوسرے** آخرت کی زندگی جو دارالجزاء ہے۔ اور ان دونو کے درمیان موت کا پردہ حائل ہے جو اعمال انسان اس دنیا میں کرتا ہے ان کے مطابق وہ اپنی اگلی زندگی میں اچھا یا بُرا بدلہ پائیگا۔ یہ بدلہ کس صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس کے متعلق ہم انشاءاللہ آگے چل کر احمدیت کے مخصوص عقاید کی ذیل میں بیان کریں گے۔ مگر بہر حال اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ جنت ایک پاکیزہ مقام ہے۔ جس میں کوئی لغو چیز یا گناہ کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں جہاں اسلام نے جنت کو دائمی قرار دیا ہے وہاں دوزخ کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ دائمی نہیں۔ بلکہ جس طرح ایک بیمار کچھ عرصہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہ کر پھر اچھا ہو کر ہسپتال سے باہر آجاتا ہے اسی طرح دوزخی لوگ بالآخر دوزخ سے باہر نکل آئینگے اور علیٰ قدرِ مراتب جنت میں جگہ پائیں گے۔ لیکن ہر دو صورتوں میں اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ آخرت کی زندگی ایک ابدی زندگی ہے جس کے بعد کوئی موت نہیں۔

جماعت احمدیہ کے مخصوص عقائد

اسلامی تعلیم کا مختصر ڈھانچہ درج کرنے کے بعد ہم ان مخصوص عقاید کا ذکر کرتے ہیں جو مقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے دنیا کے سامنے پیش کئے۔ جیسا کہ بیان کیا جائے گا یہ عقاید اسلام سے خارج یا اس کے علاوہ نہیں ہیں بلکہ یہ سارے عقائد جو ہم اس جگہ بیان کریں گے اسلام ہی کے عقائد ہیں۔ لیکن بوجہ اس کے کہ مسلمان انہیں بھلا چکے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے انہیں دوبارہ زندہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسی طرح ان میں بعض عقائد ایسے ہیں کہ وہ قرآن شریف میں موجود تو تھے مگر چونکہ ابھی تک ان کے ظاہر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اس لئے وہ آج تک ایک مخفی کان کی طرح نظروں سے اوجھل چلے آئے تھے لیکن اب آ کر حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ان کا اظہار اور انکشاف ہوا۔ ہم اس جگہ ان سب عقائد کا تو ذکر نہیں کر سکتے جن پر حضرت مسیح موعودؑ نے احمدیت کی بنیاد رکھی ہے۔ البتہ بعض خاص خاص عقائد کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اور انہیں بھی صرف اختصار کے ساتھ درج کیا جائے گا۔ کیونکہ اصل بحث حضرت مسیح موعود کی کتب اور سلسلہ احمدیہ کے دوسرے مستند لٹریچر میں موجود ہے اور جو شخص چاہے آسانی

کے ساتھ اصل ماخذ کا مطالعہ کر سکتا ہے۔
احمدیت کے مخصوص عقاید کے بیان میں سب سے مقدم جگہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کو حاصل ہے کیونکہ احمدیت کی عمارت کی بنیاد انہی پر قائم ہے سو سب سے پہلے ہم انہی کو لیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کا مجددیت کا دعویٰ:

سب سے پہلا دعویٰ جو حضرت مسیح موعود نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ مجددیت کا دعویٰ تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مقدس بانیٔ اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ:-

ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا[1] "یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسا مصلح مبعوث کیا کریگا جو ان کی دینی غلطیوں کی اصلاح کر کے انہیں نئے سرے سے زندگی عطا کیا کریگا۔"

اس پیشگوئی کے مطابق اسلام میں ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث ہوتے رہے ہیں جو اسلام کے اندر ہو کر اور آنحضرت صلعم کی غلامی کا جوا اپنی گردنوں پر رکھتے ہوئے اسلام کی تجدید اور مسلمانوں کی اصلاح کی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی اور حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی اور حضرت

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۱

سید ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی اور حضرت سید احمد صاحب بریلوی وغیرھم اسی مقدس لڑی کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم ان بزرگوں کی ولایت اور مجددیت کا قائل اور معترف ہے۔
سو حضرت مسیح موعود کا سب سے پہلا دعویٰ جو گویا آپ کے سب دعاوی کے لئے بطور بنیاد کے ہے یہی تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدے کے مطابق اسلام کی چودھویں صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اعلان کیا کہ چونکہ یہ زمانہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک فسادِ عظیم کا زمانہ ہے اس لئے اس فساد کی اصلاح کے واسطے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ خاص طاقتیں بھی عطا کی ہیں۔ جو اس زمانہ کے روحانی مصلح کے لئے ضروری ہیں۔ آپ نے یہ دعوے براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانہ میں کیا تھا[1] مگر چونکہ آپ کے اس دعویٰ میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو مسلمانوں کے کسی معروف عقیدہ کے خلاف ہو اور اس وقت تک آپ نے سلسلۂ بیعت بھی شروع نہیں فرمایا تھا اس لئے اس دعویٰ پر آپ کی کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی۔ اور جمہور مسلمانوں نے اسے ایک گونہ خاموش تصدیق کے ساتھ قبول کیا۔ بعد میں جب مخالفت کا طوفان اٹھا تو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے مخالفوں کے سامنے بار بار یہ بات پیش فرمائی کہ اگر تم میرے دعوئے مجددیت کو قبول نہیں کرتے تو پھر کوئی اور شخص پیش کرو جس نے اس صدی کے سر پر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہو مگر آپ کا کوئی مخالف اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔

---

[1] دیکھو اشتہار منسلکہ براہین احمدیہ حصہ چہارم

مسیحیت کا دعویٰ :

حضرت مسیح موعودؑ کا دوسرا دعویٰ جس پر آپ کے خلاف ایک خطرناک طوفانِ بے تمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف سے مخالفت کی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔ یعنی آپ نے خدا سے الہام پا کر یہ دعویٰ فرمایا کہ حضرت مسیح ناصریؑ جنہیں مسلمان غلطی سے آسمان پر زندہ سمجھ رہے تھے وہ دراصل فوت ہو چکے ہیں اور جو وعدہ اُن کی آمدِ ثانی کے متعلق اسلام میں کیا گیا تھا۔ وہ تمثیلی رنگ میں خود آپ کے وجود میں پورا ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے قرآن شریف نے فی الجملہ ایک مثیلِ مسیح کی پیشگوئی فرمائی تھی[1] اور حدیث میں صراحت کے ساتھ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ :-

والذی نفسی بیدہ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ[2]

"یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ضرور نازل ہونگے تم میں مسیح ابنِ مریم اور وہ خدا کی طرف سے تمہارے تمام اختلافی امور میں حَکم اور عدل ہو کر فیصلہ کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے (یعنی صلیبی مذہب کے زور کے وقت میں ظاہر ہو کر اس کے زور کو

---

[1] دیکھو قرآن شریف سورۃ نور رکوع ۷ و سورۃ صف رکوع ۱۔
[2] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰ ابن مریم۔

توڑ دیں گے) اور خنزیر کو قتل کریں گے (یعنی خنزیری صفات لوگوں کا استیصال کریں گے) اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ یعنی جنگ کو موقوف کر کے جزیہ کا سوال ہی اُٹھا دیں گے۔"

اس پیشگوئی کے نتیجہ میں مسلمانوں میں کئی صدیوں سے یہ عقیدہ چلا آ رہا تھا کہ حضرت مسیح ناصری جو انیس سو سال ہوئے فلسطین کے ملک میں گذرے تھے اور جن کے ہاتھ سے مسیحی مذہب کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خدا سے علم پا کر اعلان فرمایا کہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ بیشک مسیح کی آمدِ ثانی کا وعدہ برحق ہے مگر یہ بات قطعاً درست نہیں کہ وہی پہلا مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوگا۔ بلکہ یہ پیشگوئی استعارہ کے رنگ میں ایک مثیلِ مسیح کی آمد کی خبر دیتی تھی۔ یعنی اس پیشگوئی میں یہ بتانا مقصود تھا کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا روحانی مصلح مبعوث ہوگا جو اپنی صفات میں مسیح ناصری کا مثیل ہوگا۔ اور حضرت مسیحؑ کی خو بو پر آئیگا اسلئے اس کا آنا گویا خود مسیح ناصری کا آنا ہوگا۔ آپ نے مثالیں دے دیکر ثابت کیا کہ روحانی سلسلوں میں جب کبھی بھی کسی نبی کی دوسری آمد کا وعدہ دیا جاتا ہے تو اس سے ہمیشہ اس کے مثیل کا آنا مراد ہوتا ہے جیسا کہ مثلاً حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں الیاس نبی کی دوسری آمد کا وعدہ یوحنا نبی کی بعثت سے پورا ہوا[1]

[1] متی باب ۱۱ و ۱۷۔

آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ قرآن شریف کی رو سے نہ صرف حضرت مسیح ناصری کا آسمان پر جانا ثابت نہیں بلکہ متعدد آیات سے ان کی وفات ثابت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی قرآن و حدیث سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ کوئی حقیقی مردہ زندہ ہو کر اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آسکتا۔ اور بالآخر آپ نے قرآن و حدیث سے یہ بھی ثابت کیا کہ جس مسیح کا اسلام میں وعدہ کیا گیا تھا اس کے متعلق قرآن و حدیث ہی اس بات کی تشریح کرتے ہیں کہ اس سے مسیح ناصری مراد نہیں بلکہ مثیل مسیح مراد ہے اور ان جملہ امور کے متعلق آپ نے ایسے زبردست دلائل پیش کئے کہ آپ کے مخالف بالکل سراسیمہ ہو کر رہ گئے۔

تاریخی رنگ میں بھی آپ نے اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت مسیح ناصری گو خدائی تصرف کے ماتحت صلیب کی موت سے بچ گئے تھے مگر اس کے بعد وہ اپنے ملک سے ہجرت کر کے ہندوستان کے رستے کشمیر چلے گئے تھے۔ اور وہیں اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے۔ الغرض آپ نے قرآن سے اور حدیث سے اور مسیحی نوشتوں سے اور تاریخ سے حضرت مسیح ناصری کی وفات ثابت کر کے اپنے مثیلِ مسیح ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ اور اس بحث کے دوران میں مندرجہ ذیل اہم مسائل پر نہایت زبردست روشنی ڈالی :۔

(۱) یہ کہ حضرت مسیحِ ناصری دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے جو دشمنوں کی شرارت سے صلیب پر تو ضرور چڑھائے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لعنتی موت سے بچا لیا۔ جس کے بعد وہ خفیہ خفیہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے۔

(۲) یہ کہ اپنے ملک سے نکل کر حضرت مسیح آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے کشمیر میں پہونچے اور وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں آج تک ان کی قبر موجود ہے

(۳) یہ کہ قرآن شریف اور حدیث کی رُو سے کوئی حقیقی مردہ زندہ ہو کر اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے مسیح کو فوت شدہ مان کر ان کی دوبارہ آمد کا انتظار بے سود ہے

(۴) یہ کہ اسلامی تعلیم کی رو سے کوئی فردِ بشر اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں جا سکتا اس لئے مسیح کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا خیال بھی باطل ہے۔

(۵) یہ کہ بیشک مسیح کی آمدِ ثانی کا وعدہ تھا مگر اس سے مراد ایک مثیلِ مسیح کا آنا تھا نہ کہ خود مسیح کا۔

(۶) یہ کہ مثیلِ مسیح کی بعثت کا وعدہ خود آپ کے وجود میں پورا ہوا ہے اور آپ ہی وہ موعود مسیح ہیں جس کے ہاتھ پر دنیا میں حق و صداقت کی آخری فتح مقدر ہے اس شق کی ذیل میں یعنی اپنے مسیحِ موعود ہونے کی تائید میں آپ نے مندرجہ ذیل ثبوت پیش کئے :۔

(الف) یہ کہ مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق جو علامتیں بیان کی گئی تھیں وہ موجودہ زمانہ پر چسپاں ہوتی ہیں یعنی مسلمانوں کی حالت کا بگڑ جانا۔ صلیبی مذہب کا زوروں میں ہونا۔ دجال کا خروج پریس اور ریل وغیرہ کی ایجاد کا ظہور وغیرہ۔

(ب) یہ کہ مسیح موعود کے نزول کی جگہ کے متعلق جو خبر دی گئی تھی

کہ وہ مشرقی ممالک میں یعنی بلادِ شام کے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا وہ بھی آپ کے مقامِ ظہور یعنی قادیان پر چسپاں ہوتی ہے۔

(ج) یہ کہ مسیحِ ناصری کے حلیہ کے مقابل پر جو حلیہ مسیح موعود کا بیان کیا گیا تھا۔ یعنی گندمی رنگ اور سیدھے بال وغیرہ۔ وہ آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ اسی طرح آخری زمانہ کے مصلح کے متعلق جو یہ پیشگوئی تھی کہ وہ قومی لحاظ سے فارسی الاصل ہوگا وہ بھی آپ میں پوری ہوتی ہے۔

(د) یہ کہ مسیحِ موعود کا جو کام بتایا گیا تھا یعنی یہ کہ وہ مسلمان میں کھوئے ہوئے ایمان کو پھر قائم کریگا اور ان کے غلط عقائد کی اصلاح کریگا اور صلیب کے زور کو توڑیگا اور اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اس کام کی داغ بیل آپ کے ہاتھ سے قائم کردی گئی ہے۔ اور اب یہ کام سنّت اللہ کے مطابق آہستہ آہستہ آپ کی جماعت کے ذریعہ اپنی تکمیل کو پہونچے گا۔

ان امور کو تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھنا بہت جگہ چاہتا ہے مگر چونکہ ان جملہ امور کی بحث حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں نہایت تفصیل کے ساتھ آچکی ہے اور یہ باتیں جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں شائع و متعارف ہیں اس لئے اس جگہ اسی قدر مجمل نوٹ پر اکتفا کی جاتی ہے۔[1]

[1] مفصل بحث کیلئے دیکھو حضرت مسیح موعود کی کتب ازالہ اوہام و تحفہ گولڑویہ و نزول المسیح و حقیقۃ الوحی وغیرہ اور خاکسار مصنف رسالہ ہذا کی تصنیف الحجۃ البالغہ و تبلیغِ ہدایت

مہدویت کا دعویٰ :

تیسرا دعویٰ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ تھا کہ آپ مہدیٔ معہود ہیں۔ یعنی اسلام میں جو ایک مہدی کے ظہور کا وعدہ دیا گیا تھا وہ آپ کی آمد سے پورا ہوا ہے۔ مگر آپ نے اس دعویٰ کی ذیل میں یہ تشریح فرمائی کہ میں کسی جنگی اور خونی مشن کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ میرا کام امن اور صلح کے طریق پر کام کرنا اور براہین اور دلائل کے ساتھ منوانا ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ یہ خیال کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے دین کے معاملہ میں جبر اور تشدد جائز ہے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور قرآن شریف و حدیث بڑے زور کے ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ یہ جو مسیح موعود اور مہدی کو الگ الگ وجود سمجھ لیا گیا تھا یہ درست نہیں بلکہ دراصل مسیح موعود اور مہدیٔ معہود ایک ہی ہیں جنہیں صرف دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے دو الگ الگ نام دے دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ :-

لا المھدی الا عیسی[1]

"یعنی مسیح موعود کے سوا اور کوئی موعود مہدی نہیں ہے"

اس دعویٰ کے متعلق بھی حضرت مسیح موعودؑ کی کتب اور سلسلہ کے لٹریچر میں تفصیل کے ساتھ بحث آچکی ہے اس لئے اس جگہ

---

[1] ابن ماجہ باب شدۃ الزمان

تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں جو ناظرین تفصیل میں جانا چاہیں وہ سلسلہ کی کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں[1]

نبوّت کا دعویٰ:

حضرت مسیح موعودؑ کا چوتھا دعویٰ ظلّی نبوّت کا تھا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع میں اور آپ کے لائے ہوئے دین کی خدمت کے لئے آپ کے ظل اور بروز ہونے کی حیثیت میں نبوت کی خلعت پہنائی ہے۔ یہ دعویٰ بھی چونکہ موجودالوقت مسلمانوں کے معروف عقیدہ کے سخت خلاف تھا اور وہ مقدس بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند قرار دیتے تھے اس لئے اس دعویٰ پر بھی مخالفت کا بہت شور برپا ہوا۔ اور آپ کے مخالفوں نے اسے ایک آڑ بنا کر آپ کو نعوذ باللہ اسلام کا دشمن اور آنحضرت صلعم کے لائے ہوئے دین کو مٹانے والا قرار دیا۔ اور اب تک بھی آپ کا یہ دعویٰ مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہیجان پیدا کرنے والا ثابت ہو رہا ہے۔ مگر یہ سب شور و غوغا محض جہالت اور تعصب کی بناء پر ہے ورنہ غور کیا جائے تو حضرت مسیح موعودؑ کے اس دعویٰ میں کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نہیں بلکہ اس سے اسلام کی اکملیت اور آنحضرت صلعم کی شان کی بلندی کا ثبوت

---

[1] مثلاً دیکھو نور القرآن و حقیقۃ المہدی مصنفہ حضرت مسیح موعودؑ و رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان جلد ۶

ملتا ہے

در اصل اس معاملہ میں سارا دھوکا اس بات سے لگا ہے کہ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر نبی کے لئے نئی شریعت کا لانا ضروری ہے یا کم از کم یہ کہ ہر نبی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقہ نبی کے روحانی فیض سے آزاد ہو کر براہ راست نبوت کا انعام حاصل کرے۔ اور نبوت کی اس تعریف کو مان کر واقعی آنحضرت صلعم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دروازہ کھلا رکھنا نہ صرف آنحضرت صلعم کی شان کے منافی ہے بلکہ اس سے اسلام کی اکملیت پر بھی سخت زد پڑتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے نبوت کی یہ تعریف ہرگز درست نہیں اور قرآن و حدیث دونوں اسے سختی کے ساتھ رد کرتے ہیں۔ اس کے مقابل پر نبی کی جو تعریف اسلامی تعلیم کی رُو سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ سے وحی پا کر دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہو اور ایسے روحانی مقام پر پہونچ جاوے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کثرت سے کلام کرے اور اسے غیب کے امور پر کثرت کے ساتھ اطلاع دی جاوے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

"یہ تمام بدقسمتی دھوکے سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے

ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ پس ایک امتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا بالخصوص اس حالت میں کہ وہ امتی اپنے نبیٔ متبوع سے فیض پانے والا ہو۔"[1]

اس تشریح کے ہوتے ہوئے جو قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے یہ اعتراض بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ماننے سے آنحضرت صلعم کی ہتک لازم آتی ہے یا یہ کہ اس سے قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ ایسی نبوت کو جاری ماننے سے آنحضرت صلعم کی شان کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی افسر بڑا ہوتا ہے جس کے ماتحت بڑے ہوں۔ اور وہی شخص زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے جس کا فیضان وسیع ہو اور اس کی پیروی انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات کا حقدار بنا سکے۔ بیشک اگر حضرت مسیح موعود یہ دعویٰ فرماتے کہ میرے آنے سے قرآنی شریعت منسوخ ہو گئی ہے یا یہ اعلان فرماتے کہ میں نے آنحضرت صلعم کے فیضان سے باہر ہو کر براہ راست نبوت کا انعام پایا ہے تو اس میں آنحضرت صلعم اور اسلام کی کسرِ شان سمجھی جا سکتی تھی۔ مگر جبکہ یہ دعویٰ ہی نہیں بلکہ دعوےٰ صرف اس قدر ہے کہ مجھے خدا نے اسلام کی خدمت کے لئے اور آنحضرت صلعم کے فیضان کی برکت سے اور آپ کی اتباع اور

---

[1] ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم

غلامی میں نبوت کا منصب عطا کیا ہے تو ہر دانا شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ عقیدہ اسلام اور آنحضرت صلعم کی شان کو بڑھانے والا ہے نہ کہ کم کرنے والا۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ قرآن و حدیث نے آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ کلی طور پر بند کیا ہے اس لئے خواہ اس میں اسلام کی عزت ہو یا ہتک ہم بہر حال اس عقیدہ کے پابند ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ ہرگز درست نہیں کہ قرآن و حدیث نبوت کے دروازہ کو من کل الوجوہ بند کرتے ہیں۔ بلکہ غور کیا جاوے تو جو دلیلیں نبوت کے بند ہونے کی قرآن و حدیث سے دی جاتی ہیں وہی اسے کھلا ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" قرار دیا گیا ہے اور خاتم النبیین کے معنے آخری نبی کے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ لیکن غور کیا جاوے تو اسی دلیل سے نبوت کا دروازہ کھلا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ عربی لغت اور محاورہ کی رُو سے "خاتم النبیین" کے معنی آخری نبی کے ہرگز نہیں۔ بلکہ نبیوں کی مہر کے ہیں کیونکہ "خاتم" کا لفظ جو "ت" کی فتح سے ہے اس کے معنے عربی میں ایسی مہر کے ہوتے ہیں جو تصدیق وغیرہ کی غرض سے کسی دستاویز پر لگائی جاتی ہے۔ پس نبیوں کی مہر سے یہ مراد ہوا کہ آئندہ کوئی شخص جس کے ساتھ محمد رسول اللہ صلعم کی تصدیقی مہر نہ ہو خدائی دربار سے کوئی روحانی انعام حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر یہ مہر

اسے حاصل ہو جائے تو عام انعامات تو در کنار نبوت کا انعام بھی انسان کو مل سکتا ہے۔ پس یہی آیت جسے غلط صورت دیکر نبوت کے دروازہ کو بند کرنے والا قرار دے لیا گیا ہے در حقیقت نبوت کے دروازہ کو کھول رہی ہے۔

اسی طرح حدیث میں جو یہ الفاظ آتے ہیں کہ لا نبیّ بعدی یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اب نبوت کا دروازہ کلّی طور پر بند ہے حالانکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد شریعت والی نبوت کا دروازہ بند ہے کیونکہ وہی ایسی نبوت ہے جس کے متعلق "بعد" کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے ورنہ ظلی نبوت اور تابع نبوت تو دراصل آنحضرت صلعم کی نبوت ہی کا حصہ ہے اور اس کے اندر شامل ہے نہ کہ اس کے بعد۔ خوب غور کرو کہ بعد میں آنے والی چیز اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو سابقہ چیز کے اٹھ جانے یا ختم ہو جانے کے بعد آئے لیکن جو چیز سابقہ سلسلہ کے اندر ہی پروئی ہوئی ہو اور اس کا حصہ بن کر آئے اس کے متعلق بعد کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ پس اس حدیث میں آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ "میرے بعد" کوئی نبی نہیں ہوگا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہاں ایسا نبی مراد ہے جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کر کے ایک نئے دور کا آغاز کرنے والا ہو۔ الغرض جن قرآنی آیات اور احادیث سے نبوت کے بند کرنے کی تائید میں سہارا ڈھونڈا جاتا ہے وہی نبوت کے دروازہ کو کھلا ثابت کرتی ہیں۔

مگر حضرت مسیح موعود نے صرف منفی قسم کے دلائل سے ہی اپنے دعوے کو قائم نہیں کیا بلکہ متعدد قرآنی آیات اور احادیث سے اس بات کو ثابت کیا کہ بیشک شریعت والی نبوت اور مستقل نبوت کا دروازہ تو ضرور بند ہے مگر ظلی اور غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں۔ بلکہ یہ دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور اس کے کھلا رہنے میں ہی اسلام کی زندگی اور آنحضرت صلعم کی شان کا اظہار ہے۔ مثلاً حضرت مسیح موعودؑ نے ثابت کیا کہ ایک طرف تو قرآن شریف مسلمانوں کو یہ دعا سکھاتا ہے کہ تم مجھ سے ان تمام روحانی انعامات کے حصول کے لئے دعا کیا کرو جو پہلی امتوں پر ہوتے رہے ہیں[1] اور دوسری طرف قرآن شریف یہ بتاتا ہے کہ نبوت خدا کے ان اعلیٰ ترین انعاموں میں سے ہے جو پہلے لوگوں کو ملتے رہے[2]۔ پس ایک طرف ہر قسم کے انعاموں کے مانگنے کی دعا سکھانا اور دوسری طرف یہ بتانا کہ انعام سے نبوت وغیرہ کے انعامات مراد ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا کہ خدا نے ایک طرف تو سوال کرنا سکھایا اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ اس سوال کو قبول نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلعم کی متعدد احادیث میں آنے والے مسیح کو نبی کے نام سے یاد کیا گیا ہے[3] اور جب یہ ثابت ہے کہ آنے والا مسیح گذرے ہوئے مسیح سے جدا ہے تو لامحالہ یہ بھی

---

[1] سورۃ فاتحہ [2] سورۃ نساء رکوع ۹ [3] بخاری باب واذکر فی الکتاب مریم اور مسلم باب ذکر الدجال اور ابوداؤد کتاب الملاحم

ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ الغرض حضرت مسیح موعودؑ نے نبوت کے مسئلہ کے متعلق اپنی کتب میں نہایت سیر کن بحث فرمائی ہے اور اس ذیل میں مندرجہ ذیل امور پر زبردست روشنی ڈالی ہے:-

(۱) یہ کہ نبوت کے جو معنی موجودالوقت مسلمانوں میں سمجھے گئے ہیں یعنی یہ کہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی نئی شریعت لائے یا کم از کم یہ کہ کسی سابقہ نبی سے فیض یافتہ نہ ہو یہ درست نہیں بلکہ نبوت سے مراد ایسا مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہے جو کامل اور مصفیٰ ہونے کے علاوہ کثرت کے ساتھ غیب کی خبروں پر مشتمل ہو۔ پس ایک شخص نئی شریعت کے لانے کے بغیر سابقہ نبی کے فیض سے اور اس کی اتباع میں ہو کر نبوت کا انعام حاصل کر سکتا ہے۔ مگر بہر حال یہ ضروری ہے کہ اسے خدا کی طرف سے نبی کا نام دیا جاوے۔

(۲) یہ کہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں اور اب آپ کی تصدیقی مہر کے بغیر کسی نئے یا پرانے نبی کی نبوت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

(۳) یہ کہ آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اس سے یہ مراد ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میرے دورِ نبوت کو قطع کر کے ایک نئے دور کا آغاز کرنے والا ہو۔

(۴) یہ کہ امتِ محمدیہ کا مسیح موعود خدا کا ایک برگزیدہ نبی

ہے جسے خود آنحضرت صلعم نے اپنی متعدد احادیث میں نبی کے نام سے یاد کیا ہے۔ مگر اس کی نبوت آنحضرت صلعم کی نبوت کے تابع اور اسی کی ظل ہے نہ کہ آزاد اور مستقل نبوت۔

(۵) یہ کہ ایسی نبوت کا دروازہ کھلا ماننے میں آنحضرت صلعم کی ہتک نہیں بلکہ اس میں آپ کی شان کی بلندی کا اظہار ہے کیونکہ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا مرتبہ اس قدر بلند اور ارفع ہے کہ آپؐ کے خادم نبوت کے مقام کو پہونچ سکتے ہیں اور یہ کہ آپ روحانی مملکت کے صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ شاہنشاہ اور بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔

(۶) اسی ذیل میں آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ گو موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا یہ عام عقیدہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ کلی طور پر بند ہے مگر صحابہ کا یہ عقیدہ نہیں تھا اور صحابہ کے بعد بھی کئی مسلمان اولیاء اور بزرگ ایسے گذرے ہیں جو غیر تشریعی نبوت کے دروازہ کو کھلا مانتے رہے ہیں مثلاً حضرت محی الدین ابن عربی امام عبدالوہاب صاحب شعرانی۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی۔ حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی علامہ محدث ملا علی قاری۔ امام محمد طاہر صاحب گجراتی وغیرہم نبوت کے دروازہ کو کلی طور پر بند خیال نہیں کرتے تھے۔

(۷) آپ نے اپنے مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے یہ بھی ثابت

کیا کہ موجود الوقت مسلمانوں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسےٰ
آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں دنیا میں
نازل ہونگے اس سے بھی آنحضرت صلعم کے بعد ایک گونہ
نبوت کا دروازہ کھلا قرار پاتا ہے کیونکہ خواہ حضرت مسیح
ناصری نے نبوت کا انعام آنحضرت صلعم سے پہلے پایا تھا مگر
جب ان کی دوسری آمد آنحضرت صلعم کے بعد ہو گی تو بہرحال
اس طرح آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کا وجود مان لیا گیا
مگر آپ نے بتایا کہ جہاں آنحضرت صلعم کی امت میں سے
کسی فرد کا نبوت کے انعام کو پانا آپؐ کے لئے باعثِ عزت
ہے وہاں ایک سابقہ نبی کا آپؐ کے بعد آپؐ کی امت کی
اصلاح کے لئے دوبارہ مبعوث ہو کر آنا یقیناً آپ کیلئے
باعثِ عزت نہیں بلکہ ہتک اور غیرت کا باعث ہے۔

(۸) آپ نے عقلی طور پر بھی ثابت کیا کہ آنحضرت صلعم کے
بعد نبوت کے سلسلہ کا بند ہو جانا یہ معنے رکھتا ہے کہ
آنحضرت صلعم کی بعثت خدا کے انعاموں کو وسیع کرنے والی
نہیں بلکہ تنگ کرنے والی ثابت ہوئی ہے حالانکہ آنحضرت صلعم
کا وہ مقام ہے کہ اس کے بعد خدائی انعاموں کا دروازہ زیادہ
سے زیادہ وسیع ہو کر کھل جانا چاہیئے۔

الغرض حضرت مسیح موعود نے اس اہم مسئلہ کے مختلف پہلوؤں
پر نہایت سیر کن بحث کر کے ثابت کیا کہ گو قرآن شریف آخری
شریعت ہے جس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں۔ اور

آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں جن کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو آپ کی غلامی کے جوئے سے آزاد ہو کر آئے مگر مطلق نبوت کا دروازہ بند نہیں بلکہ کھلا ہے اور اس کے کھلا رہنے میں ہی اسلام کی عزت اور آنحضرت صلعم کی شان کی بلندی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :-

"یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوت یقین اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی دوسرے لوگ نہیں مانتے۔ وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء کی ختم نبوت میں ہے سمجھتے ہی نہیں۔ انہوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سنا ہوا ہے۔ مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ ختم نبوت کیا ہے اور اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے۔ مگر ہم بصیرت تام سے آنحضرت صلعم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختم نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ اس عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے ایک خاص لذت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا بجز ان لوگوں کے جو اس چشمہ سے سیراب ہوں۔ دنیا کی مثالوں سے ہم ختم نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں کہ جیسے چاند

ہلال سے شروع ہوتا ہے اور چودھویں تاریخ پر آکر اس کا کمال ہو جاتا ہے جب کہ اسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آکر کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے۔"[1]

پھر فرماتے ہیں :-

"بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے .... سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔"[2]

پھر فرماتے ہیں :-

"خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے تو کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ سند نہیں۔"[3]

پھر فرماتے ہیں :-

"اگر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں یہ شرفِ مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت

---

[1] ملفوظات صفحہ ۳۲۷ و ۳۲۸ — [2] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸

[3] الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء

کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو"۔[1]

پھر فرماتے ہیں :۔

"یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امورِ غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی اگر کوئی منکر ہو تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امورِ غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں"۔[2]

اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں شروع سے ہی آپ کے متعلق مرسل اور رسول اور نبی وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے آئے ہیں۔ مگر چونکہ عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا اور آپ پر بھی اس بارے میں ابھی تک خدا کی طرف سے پوری وضاحت نہیں ہوئی تھی اس لئے اوائل میں آپ مسلمانوں کے معروف عقیدہ کا احترام کرتے ہوئے ان الفاظ کی تاویل فرما دیا کرتے تھے

---

[1] تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۵ [2] حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱

اور فرماتے تھے کہ یہ الفاظ محض جزوی مشابہت کے اظہار کیلئے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر جب خدا کی طرف سے آپ پر حق کھل گیا اور آپ کو صریح اور واضح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا تو آپ نے کھلے طور پر اس کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" [1]

اور اپنے ابتدائی انکار کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔" [2]

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰ [2] اشتہار ایک غلطی کا ازالہ

حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی مقام کو بیان کرنے کے بعد ہم ان عام عقاید کا ذکر کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح موعودؑ نے یا تو رائج الوقت غلط عقائد کی اصلاح فرمائی ہے اور یا قرآن شریف سے استنباط کرکے ایسے نئے خیالات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں جو اس سے پہلے اس رنگ میں دنیا کے سامنے نہیں آئے تھے

خدا کی کوئی صفت معطل نہیں ہے:

پہلا عقیدہ جو حضرت مسیح موعود نے بیان کیا وہ یہ تھا کہ خدا کی تمام صفات اس کی ذات کے ساتھ ابدی اور ازلی ہیں اور کوئی صفت بھی ایسی نہیں جو پہلے تو کسی زمانہ میں کام کرتی ہو اور اب معطل ہو چکی ہو۔ بلکہ ہر صفت اسی طرح قائم اور حیتز عمل میں ہے جس طرح کہ پہلے تھی۔ اس عقیدہ کے بیان کرنے اور اس پر زور دینے کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ دوسری قومیں تو خیر الگ رہیں خود مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ اس غلط خیال میں مبتلا ہو گیا تھا کہ خدا کی بعض صفات ایسی ہیں کہ وہ بیشک پہلے زمانوں میں تو زندہ اور چوکس تھیں مگر اب وہ معلق اور معطل ہو چکی ہیں اور آئندہ ان صفات کا ظہور بند ہے مثلاً موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو رہا تھا کہ خدا بیشک پہلے زمانہ میں بولتا تھا۔ اور اپنے خاص لوگوں کے ساتھ کلام کرتا تھا مگر اب وہ کلام نہیں کرتا اور اس کی اس صفت کا ظہور بند ہو چکا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ایک حصہ کا یہ

عقیدہ بھی ہو چکا تھا کہ موجودہ زمانے میں خدا سنتا بھی نہیں۔ اور یہ جو اسلام میں دعا پر زور دیا گیا ہے یہ صرف ایک عبادت اور اظہارِ عقیدت کا ذریعہ ہے ورنہ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ دعا کو سنے اور اس پر کوئی نتیجہ مرتب کرے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس قسم کے جملہ باطل خیالات کو سختی کے ساتھ رد کیا اور بڑے زور کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی کوئی صفت بھی معطل نہیں بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی اس کی ہر صفت اسی طرح ہوشیار اور حیّز عمل میں ہے جس طرح کہ وہ پہلے زمانوں میں تھی۔ اور آپ نے صراحت کے ساتھ لکھا کہ خدا کی کسی صفت کو معطل قرار دینا اس کی قدوسیّت اور ازلیت پر ایک خطرناک حملہ ہے کہ گویا خدا کا ایک حصہ مردہ کی طرح ہو گیا ہے۔ چنانچہ جن جن صفات کو لوگ اپنی نادانی سے معطل قرار دے رہے تھے آپ نے انہیں بڑے زبردست دلائل کے ساتھ زندہ اور چوکس ثابت کیا اور بتایا کہ اس قسم کے گندے خیالات محض اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ لوگ خود گندوں میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ان خدائی صفات کا مورد نہیں رہے۔

دعا محض عبادت نہیں بلکہ ایک زندہ اور زبردست طاقت ہے:

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے جن صفاتِ الٰہی کو عملاً معطل قرار دیا جا

رہا تھا ان میں ایک صفت قبولیتِ دعا کی تھی - یعنی مسلمانوں کا ایک فریق مغربی ممالک کی دہریت سے متاثر ہو کر اور خود اپنی روحانیت کو کھو کر اس بات کا قائل ہو رہا تھا کہ دعا محض ایک عبادت ہے - اور یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ دعا کو سن کر کوئی نتیجہ پیدا کرتا ہے - ہندوستان میں اس گروہ کے لیڈر سر سید احمد خاں صاحب مرحوم بانیٔ علیگڈھ کالج تھے - سیّد صاحب مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے اور اسلام کا درد بھی رکھتے تھے مگر روحانیت کے فقدان کی وجہ سے اور مغرب کے اعتراضوں سے گھبرا کر اس خیال کے قائل ہو گئے تھے کہ دعا صرف ایک عبادت ہے ورنہ یہ نہیں کہ انسان کی دعا قبولیت کی صورت میں کوئی نتیجہ پیدا کرتی ہو حضرت مسیح موعود نے اس گندے عقیدے کے خلاف ایک رسالہ لکھ کر شائع فرمایا جس میں لکھا کہ سیّد صاحب کا یہ عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جس نے خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کو بالکل کمزور کر دیا ہے آپ نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی سے استدلال پکڑنے کے علاوہ اپنی مثال دے کر یہ دعویٰ پیش کیا کہ اگر کسی شخص کو قبولیتِ دعا کے مسئلہ میں شک ہو تو وہ میرے سامنے آ کر جس طرح چاہے تسلی کر لے چنانچہ آپ نے سر سیّد مرحوم کو مخاطب کر کے لکھا :-

اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجا است
سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق
قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

"یعنی اے وہ جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ اگر دعا میں کوئی اثر ہوتا ہے تو وہ کہاں ہے۔ تم جلدی سے میری طرف آجاؤ کہ میں تمہیں سورج کی طرح دعا کا اثر دکھاؤں گا ہاں ہاں خدا کی قدرتوں کے اسرار سے انکار نہ کرو اور اگر دلیل چاہتے ہو تو کسی لمبی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ اور میری قبول شدہ دعا کا نتیجہ دیکھ لو۔" [1]

ان اشعار میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جس قبول شدہ دعا کی طرف اشارہ کیا تھا وہ پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی سے تعلق رکھتی تھی۔ جس میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کے نتیجہ میں آپ کو الہاماً بتایا تھا کہ پنڈت صاحب اپنی شوخی اور گستاخی کی وجہ سے چھ سال کے اندر اندر عید کے دوسرے دن عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ واقعی دعا جیسے مسئلہ میں اصل ثبوت یہی ہے کہ عملاً دعا کا نتیجہ دکھا دیا جاوے۔ اگر دعا کا نتیجہ عملاً دکھا دیا جاوے تو یہ ایک ایسی قطعی شہادت ہو گی جس کے بعد کوئی عقلمند شخص انکار نہیں کر سکتا اور حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی سینکڑوں قبول شدہ دعائیں دکھا کر ثابت کر دیا کہ قبولیتِ دعا کا مسئلہ بالکل سچا اور یقینی ہے۔

الہام کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے:۔

اسی طرح الہام اور کلامِ الٰہی کے متعلق آپ نے لکھا کہ اس

---

[1] برکات الدعا۔

دروازہ کو بند کرنے کا عقیدہ ایسا خطرناک اور مہلک ہے کہ اس سے خدا کے متعلق یقین اور عرفان پیدا کرنے اور اس کے نشانات کو دیکھنے کا رستہ بالکل مسدود ہو جاتا ہے اور انسان اپنے خالق و مالک کے متعلق گویا بالکل تاریکی میں رہ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ چونکہ لطیف اور غیر محدود ہے اس لئے وہ نظر نہیں آ سکتا۔ اب اگر اس کے کلام کا بھی دروازہ بند کر دیا جاوے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ بندے اور خدا کے درمیان تمام علائق منقطع ہو جائیں اور کوئی جوڑنے والی کڑی درمیان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

بن دیکھے کس طرح کسی مہ رخ پہ آئے دل
کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

آپ نے بار بار فرمایا کہ کلامِ الٰہی تو ایک ایسی چیز ہے کہ جو مذہب اس کا دروازہ بند کرتا ہے وہ یقیناً زندہ مذہب کہلانے کا حقدار نہیں۔ بلکہ وہ ایک مردہ مذہب ہے جس میں زندگی کی کوئی بھی روح نہیں کیونکہ ایسا مذہب بندے اور خدا کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل کر دیتا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے بندہ خدا تک نہیں پہونچ سکتا اور خدا کا وجود محض ایک فلسفیانہ خیال رہ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے
اب قیامت تک ہے اس امت کا قصوں پر مدار
گوہرِ وحیِ خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر
اک یہی دیں کے لیئے ہے جائے عزّو افتخار۔
یہ وہ گل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں
یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مشک تتار
ہے خدادانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں
محض قصوں سے نہ ہو کوئی بشر طوفاں سے پار

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"جب کہ خدا تعالیٰ کا جسمانی قانونِ قدرت ہمارے لیئے اب بھی وہی موجود ہے جو پہلے تھا تو پھر روحانی قانونِ قدرت اس زمانہ میں کیوں بدل گیا؟ نہیں ہرگز نہیں پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ وحیٔ الہٰی پر آئندہ کے لیئے مہر لگ گئی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔"[1]

الہام الہٰی کے متعلق حضرت مسیح موعود نے ایک اور تشریح بھی فرمائی اور وہ یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ صرف نیک اور پاک لوگوں کو ہی الہام ہو بلکہ بعض اوقات ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی الہام ہو جاتا ہے کیونکہ اس ذریعہ سے اللہ تعالےٰ عام لوگوں میں ایک شہادت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ الہام کے کوچہ سے بالکل بے خبر اور ناآشنا نہ رہیں۔ مگر یہ الہام شاذ ہوتا ہے اور درجہ میں بھی ادنیٰ ہوتا ہے لیکن جو الہام انبیاء کو یا خاص اولیاء

[1] چشمۂ معرفت صفحہ ۲۰

کو ہوتا ہے اس میں کثرت کے علاوہ یہ خصوصیت بھی پائی جاتی ہے
کہ وہ زیادہ مصفا اور زیادہ شاندار ہوتا ہے۔ اور اس میں خدا
کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی محبت کی خاص جھلک نظر
آتی ہے اور بسا اوقات وہ دوستانہ کلام کا رنگ رکھتا ہے
مگر اس کے مقابل پر عام لوگوں کا الہام ایسا ہوتا ہے جیسے کہ ایک
بادشاہ بعض اوقات گھر کے ایک ادنیٰ نوکر یا چوہڑے سے بات
کرلیتا ہے۔ اور کثرت اور قلت کے لحاظ سے ان دونوں میں
ایسا فرق ہوتا ہے کہ جیسے ایک امیر کبیر آدمی کے مقابلہ پر جس
کے پاس لاکھوں روپیہ ہو ایک غریب مفلس شخص کی حیثیت
ہوتی ہے جس کے پاس صرف چند پیسے ہوں۔ پس دونوں میں
اشتراک تو ہے مگر اس اشتراک کی وجہ سے دونوں کی
بالمقابل حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایمان باللہ کی حقیقت:

دوسرا عقیدہ جو آپ نے پیش کیا وہ ایمان باللہ کے ساتھ
تعلق رکھتا ہے آپ نے بیان فرمایا کہ موجودہ زمانے میں اکثر
لوگ ایمان باللہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور محض ایک
رسمی اور سنے سنائے ایمان یا ورثہ کے ایمان کو حقیقی
ایمان سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ ایسا ایمان کوئی چیز
نہیں بلکہ حقیقی ایمان جو زندہ ایمان کہلانے کا حقدار ہے
وہ یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی کے متعلق کم از کم ایسا

ہی یقین رکھے جیسا کہ وہ اس دنیا کی چیزوں کے متعلق رکھتا ہے۔ مثلاً
ایک انسان اپنے باپ کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے
اپنے مکان پر نظر ڈالتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ یہ میرا مکان ہے
سورج پر نگاہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے کہ یہ سورج ہے اور ان
چیزوں کے متعلق اسے ایک حقیقی بصیرت اور یقین کی صورت حاصل
ہوتی ہے جس میں کسی شک یا شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی اسی طرح
خدا کے متعلق ایمان ہونا چاہیئے مگر آپ نے لکھا کہ دنیا میں اکثر
لوگوں کو یہ ایمان حاصل نہیں بلکہ وہ اس ایمان سے آگاہ بھی
نہیں۔ اور محض ورثہ کے ایمان یا سنے سنائے ایمان کو ہی حقیقی
ایمان سمجھ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ ان کے ارد گرد لوگ یہ بات
کہتے رہتے ہیں کہ خدا ہے اس لئے وہ بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ
خدا ہے مگر ان کو خدا کے متعلق کوئی ذاتی بصیرت یا یقین
حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقی اور زندہ ایمان وہی ہے جس میں
انسان کو بصیرت اور یقین حاصل ہو اور اس کا دل خدا کی ہستی
کے متعلق تسلی اور تشفی پا جائے اور آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ
نے اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ میں لوگوں کو اس قسم کا ایمان عطا
کردوں اور خدا کی ذات کو ایک خیالی فلسفہ کی وادی سے نکال
کر حقیقت کی چٹان پر قائم کردوں۔

آپ نے بار بار تشریح فرمائی ہے کہ خدا کا وجود ایسا نہیں
ہے کہ خدا نے دنیا کو پیدا کیا اور پھر اس کی حکومت سے
معزول ہو کر اور سارے تعلقات قطع کر کے الگ ہو کر بیٹھ

گیا بلکہ وہ ایک تعلق رکھنے والا دنیا کے کاموں میں دلچسپی لینے والا اپنی مخلوق کی نیکی بدی کو دیکھنے والا خدا ہے۔ جو اپنے نیک بندوں کا دوست اور محافظ ہوتا ہے اور ان کو دشمنوں کے شر سے بچاتا اور ان کے لئے ترقی کے رستے کھولتا ہے اور مشکلات میں ان کے کام آتا ہے۔ اور برے اور شریر لوگوں کو وہ کبھی کبھی اسی دنیا میں ہی اصلاح کے خیال سے پکڑتا اور سزا دیتا ہے۔ پس جب دنیا کا خدا ایسا خدا ہے تو اس کے متعلق ایک محض فلسفیانہ ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے متعلق دلی یقین اور بصیرت کے ساتھ ایمان لاکر اس کے ساتھ تعلق نہ پیدا کیا جاوے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:-

ناز مت کر اپنے ایماں پر کہ یہ ایماں نہیں
اس کو ہیرا مت گماں کر ہے یہ سنگ کوہسار
پیٹنا ہوگا دو ہاتھوں سے کہ ہے ہے مر گئے
جب کہ ایماں کے تمہارے گند ہونگے آشکار

توحید کی حقیقت اور مخفی شرک کی تشریح:-

تیسرا عقیدہ آپ نے یہ پیش کیا کہ دنیا کو بتایا کہ حقیقی توحید صرف یہ نہیں کہ صرف منہ سے خدا کے ایک ہونے کا اقرار کیا جائے اور شرک صرف اسی بات میں محدود نہیں کہ کسی بت یا انسان یا سورج یا پہاڑ یا دریا کو خدا مان کر اس کے سامنے سجدہ کیا جائے۔ بلکہ یہ چیزیں صرف موٹے طور پر توحید اور

شرک کو بیان کرتی ہیں۔ اور توحید اور شرک کی حقیقی تشریح ان سے بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ گہری ہے۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ اصل توحید یہ ہے کہ انسان نہ صرف منہ سے خدا کے ایک ہونے کا قائل ہو بلکہ اس کی کامل محبت اور کامل خوف اور کامل بھروسہ صرف خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو۔ اور یہ کہ شرک صرف یہ نہیں کہ کسی بت وغیرہ کی پرستش کی جائے بلکہ حقیقی شرک میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انسان کسی چیز کی ایسی عزت کرے جو خدا کی کرنی چاہیئے اور کسی چیز کے ساتھ ایسی محبت کرے جو خدا سے کرنی چاہیئے۔ اور کسی چیز سے ایسا خوف کھائے جو خدا سے کھانا چاہیئے اور کسی چیز پر ایسا بھروسہ کرے جو خدا پر کرنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں :-

ہر چہ غیر خدا بخاطر تست — آں بت تست اے بایماں سست

پر حذر باش زیں بتانِ نہاں — دامن دل زدستِ شاں برہاں

"یعنی ہر وہ چیز کہ جو خدا کے مقابل پر تیرے دل میں جگہ پائے ہوئے ہے وہ تیرے دل کا ایک مخفی بت ہے مگر اے کمزور ایمان والے شخص تو اسے سمجھتا نہیں۔ تجھے چاہیئے کہ اپنے ان مخفی بتوں کی طرف سے ہوشیار رہے اور اپنے دل کے دامن کو ان کی گرفت سے بچا کر رکھے۔"

آپ نے بار بار اور کثرت کے ساتھ بیان کیا کہ مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہو کر اپنے ظاہری علاج معالجہ پر اتنا بھروسہ کرے کہ گویا خدا کو بھلا ہی دے اور ساری طاقت اور ساری شفا

دوائی میں ہی سمجھنے لگ جائے۔ تو وہ بھی ایک قسم کے مخفی شرک کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ وہ دوائی کو وہ درجہ دیتا ہے جو خدا کو دینا چاہیئے۔ آپ نے لکھا کہ اسلام اسباب کے اختیار کرنے سے نہیں روکتا۔ بلکہ حکم دیتا ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے لیئے جو اسباب خدا کی طرف سے مقرر ہیں انہیں استعمال کرو کیونکہ وہ بھی خدا کے پیدا کردہ ذرائع ہیں۔ مگر اسلام ان اسباب پر تکیہ کرنے سے اور انہیں کامیابی کا آخری ذریعہ قرار دینے سے منع کرتا ہے بلکہ ہدایت دیتا ہے کہ اصل بھروسہ صرف خدا پر رکھو جس نے یہ سارے اسباب پیدا کئے ہیں اور جو اس دنیا کی آخری علت العلل ہے۔ چنانچہ آپ اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

"خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر اک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی .... میں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایتِ اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے ......

خدا تمہاری آنکھیں کھولے تا تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے۔ اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیاں اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہیں"۔ ؎۱

ملائکۃ اللہ کی حقیقت:

چوتھا عقیدہ جو آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ ملائکۃ اللہ کی تشریح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ فرشتوں کے وجود کو قریباً ہر مذہب و ملّت نے مانا ہے اس لئے ہمیں اس جگہ ان کی ہستی کی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں صرف اس قدر بتانا کافی ہے کہ فرشتوں کے متعلق یہ ایک عام عقیدہ ہو رہا تھا کہ فرشتے کوئی خاص قسم کی عجیب و غریب مخلوق ہے جو خدا اور انسان کے درمیان واسطہ کا کام دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس بارے میں تشریح فرمائی کہ بیشک فرشتے خدا کی ایک مخفی مخلوق ہے مگر ان کے متعلق وہ عجیب و غریب خیالات جو ان کی شکل و صورت وغیرہ کے متعلق رائج ہیں مثلاً یہ کہ وہ ایک پروں کے ساتھ اڑنے والی مخلوق ہے اور ان کے یہ یہ رنگ اور اتنے اتنے پر ہیں وغیر ذالک یہ درست نہیں ہیں بلکہ اس قسم کے الفاظ بطور استعارہ بیان ہوئے ہیں اور فرشتوں کی اصل شکل و صورت کا علم صرف خدا کو ہے۔ البتہ قرآن شریف و حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا کی ایک مخفی مخلوق ہے جو نظامِ عالم کو چلانے کے لئے بطور

؎۱ کشتی نوح ؎

اسباب گئے ہیں۔ یعنی جس طرح دنیا کے ظاہری نظام کو چلانے کے لئے خدا نے ظاہری اسباب مقرر کر رکھے ہیں مثلاً سورج اور چاند اور ستارے اور ہوا اور پانی اور زمین وغیرہ اور ان چیزوں کے خواص اور ان کی طاقتیں اسی طرح اللہ تعالےٰ نے بعض مخفی اسباب بھی مقرر کئے ہیں۔ جو فرشتوں کے نام سے موسوم ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس نظامِ عالم کو چلا رہا ہے۔

اسی طرح آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ یہ جو فرشتوں کے نازل ہونے کا عقیدہ عام طور پر مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی فرشتہ خدا کا کلام لے کر نازل ہوتا ہے اور کوئی لوگوں کی روح قبض کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے یہ فی الجملہ درست ہے مگر فرشتوں کے نزول سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ کر زمین پر آجاتے ہیں اور وہ جگہ اس وقت ان کے وجود سے خالی ہو جاتی ہے بلکہ فرشتوں کے نزول سے یہ مراد ہے کہ فرشتے اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اپنے اپنے دائرہ میں دنیا کی چیزوں پر مقررہ اثرات پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً جس فرشتے کا کام کلامِ الٰہی کا پہونچانا ہے۔ وہ یوں نہیں کرتا کہ خدا کے الفاظ کو لیکر کبوتر کی طرح اڑتا ہوا زمین پر پہونچ جاوے بلکہ وہ صرف یہ کرتا ہے کہ اپنی خداداد طاقت کو حرکت میں لا کر خدا کے کام کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح جس فرشتے نے کسی انسان کی روح قبض

کرنی ہو وہ یہ نہیں کرتا کہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر زمین پر آوے اور مرنے والے کی روح نکال کر پھر واپس اڑ جائے بلکہ وہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ہی سارا کام سرانجام دیتا ہے۔ پس نزول سے خود فرشتوں کا جسمانی نزول مراد نہیں بلکہ ان کی خداداد طاقتوں کا پرتو یا سایہ اور اثر مراد ہے جو حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا ہے۔[1]

اس دنیا کی عمر اور خلق آدم:

پانچویں اصلاح حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کی کہ لوگوں کے اس خیال کو رد کیا کہ گویا یہ دنیا صرف چھ سات ہزار سال سے ہے اور اس سے پہلے خدا نعوذ باللہ معطل تھا۔ دراصل چونکہ عیسائیوں کا بائیبل کی بناء پر یہ عقیدہ تھا۔ کہ انسان کی پیدائش کا آغاز آدم سے ہوا ہے اور آدم کو پیدا ہوئے صرف چھ ہزار سال ہوئے ہیں اس لئے ان کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے بعد کے مسلمانوں میں بھی غلطی سے یہی عقیدہ داخل ہو گیا مگر خود قرآن شریف نے یا آنحضرت صلعم نے ایسی کوئی تعلیم نہیں دی تھی۔ بہرحال حضرت مسیح موعودؑ نے صراحت کے ساتھ اس عقیدے کو جھوٹا قرار دیا اور فرمایا کہ آدم کی پیدائش سے دنیا کا آغاز مراد نہیں ہے بلکہ دنیا کا آغاز بہت قدیم سے ہے اور اس میں مخلوقات کے کئی دور آتے رہے ہیں جن میں

[1] فرشتوں کے متعلق بحث کیلئے دیکھو حضرت مسیح موعود کی تصنیف توضیح المرام اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ

سے موجودہ دور اس آخری آدم سے شروع ہوا ہے جس کی پیدائش پر چھ ہزار سال کا عرصہ گزرا ہے۔ پس آدم کی پیدائش سے دنیا کے ایک دور کا آغاز مراد ہے نہ کہ دنیا کی پیدائش کا آغاز۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

"ہم اس مسئلہ میں توریت کی پیروی نہیں کرتے کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب سے کہ آدم پیدا ہوا ہے اس دنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ اور گویا خدا معطل تھا۔ اور نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسل جو اس وقت دنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے ان الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی دنیا میں مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اسی آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کہ کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے۔" [1]

اسی ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ عقیدہ پیش فرمایا کہ چونکہ خدا کی صفات قدیم سے ہیں اور ان میں مستقل تعطّل جائز نہیں اس لئے یہ خیال کرنا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جب مخلوق

[1] الحکم مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

کی کوئی نوع بھی دنیا میں موجود نہیں تھی درست نہیں - بلکہ ہر زمانہ میں مخلوق کی کوئی نہ کوئی نوع موجود رہی ہے اور ممکن ہے کہ انسان سے پہلے اس عالم میں مخلوق کی کوئی اور نوع پائی جاتی ہو - چنانچہ فرماتے ہیں :-

"یہ بات سچ ہے کہ خدا کی صفات خالقیت اور رازقیت وغیرہ سب قدیم ہیں حادث نہیں - پس خدا تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کے لحاظ سے مخلوق کا وجود نوعی طور پر قدیم ماننا پڑتا ہے نہ شخصی طور پر - یعنی مخلوق کی نوع قدیم سے چلی آتی ہے ایک نوع کے بعد دوسری نوع خدا پیدا کرتا چلا آیا ہے - اسی طور سے ہم ایمان رکھتے ہیں اور یہی قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ انسان سے پہلے کیا کیا خدا نے بنایا - مگر اس قدر ہم جانتے ہیں کہ خدا کے تمام صفات ہمیشہ کے لئے کبھی معطل نہیں ہوئے - اور خدا تعالیٰ کی قدیم صفات پر نظر کر کے مخلوق کے لئے قدامتِ نوعی ضروری ہے مگر قدامتِ شخصی ضروری نہیں" [1]

مسئلہ ارتقاء :

ایک عرصہ سے مسئلہ ارتقا ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے یعنی بعض مغربی محققین کی یہ رائے ہے کہ کسی زمانہ میں انسان موجودہ صورت میں نہیں تھا بلکہ حیوانیت کی ادنیٰ حالت میں زندگی گذارتا تھا اور پھر

---

[1] چشمہ معرفت صفحہ ١٦٠

آہستہ آہستہ کئی تغیرات کے بعد موجودہ شکل و صورت کو پہونچا ہے ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ابتداء میں انسان بندر کی شکل پر تھا اور پھر اس سے تدریجاً ترقی کر کے انسانی شکل پر آگیا سائینسدانوں کا یہ خیال ایک ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے۔ اور نہ ہی سارے سائنس دان اس خیال کے قائل ہیں۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ کے اکثر سائنس دان مسئلہ ارتقا کی اس تھیوری کو سچا سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس مخصوص مسئلہ کے متعلق تفصیل کے ساتھ تو نہیں لکھا مگر بہرحال آپ نے اس خیال کو معین صورت میں رد فرمایا ہے کہ انسان بندر سے بنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"ہمارا مذہب یہ نہیں کہ انسان کسی وقت بندر تھا پھر دم کٹ گئی اور انسان بن گیا۔ یہ تو صرف دعویٰ ہے اور بارِ ثبوت مدعی پر ہے ...... ہم ایسے قصوں پر اپنے ایمان کی بنیاد نہیں رکھ سکتے۔ موجودہ زمانہ کا عام نظارہ جو ہے وہ یہی ہے کہ بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے اور انسان سے انسان۔ پس جو اس کے خلاف ہے وہ قصہ ہے۔ واقعی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انسان ہی سے انسان پیدا ہوتا ہے اور پہلے دن آدم ہی بنا تھا۔"[۱]

مگر مسئلہ ارتقا کے اس پہلو کو رد کرنے کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ ارتقا کے اصول کو فی الجملہ تسلیم فرماتے تھے مثلاً حضرت مسیح موعودؑ کا

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۲۱ والحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵

یہ عقیدہ تھا کہ دنیا کی پیدائش ایک فوری تغیر کی صورت میں نہیں ہوئی بلکہ تدریجی طور پر آہستہ آہستہ ہوئی ہے اور آپ کا یہ عقیدہ اس قرآنی تعلیم کے مطابق تھا۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے اس دنیا کو درجہ بدرجہ پیدا کیا ہے۔ اسی طرح آپ انسانی پیدائش میں بھی تدریجی خلق کے قائل تھے مگر اس بات کے قائل نہیں تھے کہ انسان کسی وقت بندر تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ انسان بن گیا۔ اور قرآن شریف نے جو یہ بیان کیا ہے کہ خدا نے زمین و آسمان اور ان کی درمیانی چیزوں کو چھ دن میں بنایا اس کی تشریح حضرت مسیح موعودؑ یہ فرماتے تھے کہ یہاں دن سے مراد یہ چوبیس گھنٹہ والا دن نہیں ہے کیونکہ یہ دن تو خلقِ عالم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ بلکہ دن سے مراد ایک لمبا زمانہ ہے جیسا کہ مثلاً قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسانوں کی شمار کے لحاظ سے خدا کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ [1]

تمام قوموں میں رسول آئے ہیں:

ایک اور نیا خیال حضرت مسیح موعودؑ نے دنیا کے سامنے یہ پیش کیا کہ یہ درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف خاص خاص قوموں یا خاص ملکوں کی طرف ہی اپنے رسول بھیجے ہیں اور دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کو بھلائے رکھا ہے بلکہ اس نے اپنی وسیع رحمت کے ماتحت ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں

---

[1] چشمۂ معرفت صفحہ ۲۱۴

جو اس کی اس رحمت سے محروم رہی ہو۔ بیشک قرآن شریف نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے اور مسلمان اس تعلیم پر اجمالی ایمان لاتے رہے ہیں مگر ان کی توجہ کبھی بھی اس مضمون کی تفصیلات کی طرف مبذول نہیں ہوئی اور نہ کبھی انہوں نے قرآن شریف کے بیان کردہ رسولوں کے سوا کسی اور قوم کے مذہبی پیشوا کی رسالت کو تصریحاً تسلیم کیا۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن شریف کے اس پیش کردہ اصول کو ایسی تفصیل اور تعیین کے ساتھ بیان کیا کہ گویا دنیا میں ایک نئی صداقت کا دروازہ کھل گیا اور بین الاقوام تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے ایک نہایت موثر خیال ہاتھ میں آگیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس قرآنی آیت کو لے کر کہ اللہ تعالےٰ نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں تشریح اور تکرار کے ساتھ لکھا کہ جس طرح خدا تمام دنیا کی مادی ضروریات کو پورا فرماتا ہے اسی طرح وہ روحانی میدان میں بھی ہر قوم کی اصلاح اور ترقی کی طرف توجہ کرتا رہا ہے اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کسی نہ کسی زمانہ میں خدا کی طرف سے کوئی نہ کوئی رسول نہ آیا ہو۔ آپ نے لکھا کہ چونکہ خدا سارے ملکوں اور ساری قوموں کا ایک سا خدا ہے اس لئے اس نے کسی قوم کو بھی فراموش نہیں کیا اور ہر قوم کی طرف اپنے رسول بھیج کر اپنی عالمگیر خدائی اور وسیع رحمت کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس اصول کو محض ایک فلسفہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ عملاً نام لے لیکر اعلان کیا کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو جو رسول یا اوتار یا مصلح گذرے ہیں

وہ سب خدا کی طرف سے تھے اور ہم ان کی صداقت کے قائل ہیں اور ان کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح ایک سچے رسول کی کرنی چاہیئے۔ آپ کے اس اعلان نے بین الاقوام تعلقات میں ایک انقلاب کی صورت پیدا کردی اور جو قومیں اس سے پہلے رقیب اور مدمقابل کی صورت میں نظر آتی تھیں اب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی باپ کی اولاد کے رنگ میں نظر آنے لگیں۔

مگر اس اعلان کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تشریح فرمائی کہ دوسری قوموں کے مذہبی بانیوں کو ماننے سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ ہم ان کی اس تعلیم کو بھی مانتے ہیں جو آجکل ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم دو لحاظ سے ہمارے لئے قابل عمل نہیں اوّل اس لئے کہ یہ تعلیم مرورِ زمانہ سے اپنی اصل حقیقت اور اصل صورت سے منحرف ہو چکی ہے دوسرے اس لئے کہ قرآن شریف کے نزول کے بعد جو سارے ملکوں اور ساری قوموں اور سارے زمانوں کے لئے ہے تمام سابقہ شریعتیں جو زمانی اور مکانی اور قومی حدود میں مقید تھیں منسوخ ہو چکی ہیں پس آپ نے فرمایا کہ ہم اس وقت عملاً صرف قرآنی شریعت کو مانیں گے مگر ویسے اصولاً ہم تمام قوموں کے رسولوں رشیوں اور اوتاروں اور مصلحوں کو سچا سمجھتے ہیں اور ان کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح ایک سچے رسول کی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"یہ اصول نہایت پیارا اور امن بخش اور صلحکاری کی بنیاد

ڈالنے والا اور اخلاقی حالتوں کو مدد دینے والا ہے کہ ہم ان تمام نبیوں کو سچا سمجھ لیں جو دنیا میں آئے خواہ ہند میں ظاہر ہوئے یا فارس میں یا چین میں یا کسی اور ملک میں۔ اور خدا نے کروڑہا دلوں میں ان کی عزت اور عظمت بٹھا دی اور ان کے مذہب کی جڑ قائم کر دی اور کئی صدیوں تک وہ مذہب چلا آیا یہی اصول ہے جو قرآن نے ہمیں سکھلایا ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے ہم ہر ایک مذہب کے پیشوا کو جن کی سوانح اس تعریف کے نیچے آتی ہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں گو وہ ہندوؤں کے مذہب کے پیشوا ہوں یا فارسیوں کے مذہب کے یا چینیوں کے مذہب کے یا یہودیوں کے مذہب کے یا عیسائیوں کے مذہب کے۔" [1]

پھر فرماتے ہیں:۔

اس عظیم الشان نبی نے ہم کو سکھایا ہے کہ جن جن نبیوں اور رسولوں کو دنیا کی قومیں مانتی چلی آئی ہیں اور خدا نے عظمت اور قبولیت ان کی دنیا کے بعض حصوں میں پھیلا دی ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں اور ان کی آسمانی کتابوں میں گو دور دراز زمانہ کی وجہ سے کچھ تبدیلی ہو گئی ہو یا ان کے معنے خلافِ حقیقت سمجھے گئے ہوں مگر دراصل وہ کتابیں من جانب اللہ اور عزت اور عظمت کے لائق ہیں۔" [2]

---

[1] تحفۂ قیصریہ [2] چشمۂ معرفت

سچا مذہب اسی دنیا میں پھل دیتا ہے:۔

ایک اور لطیف انکشاف حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا کہ سچے مذہب کی یہ علامت ہے کہ وہ اپنے متبعین کو صرف آئندہ کے وعدہ پر نہیں رکھتا بلکہ اسی زندگی میں ایمان کے شیریں اثمار چکھا دیتا ہے۔ یہ اصول قرآن شریف میں موجود تھا جیسا کہ فرمایا:۔

ولمن خاف مقام ربہ جنتان [1]

"یعنی جو شخص خدا کا تقوٰی اختیار کر کے روزِ جزا کو یاد رکھتا ہے اسے دو جنتیں ملیں گی ایک آخرت میں اور ایک اسی دنیا میں۔ یعنی اسی دنیا سے اس کے لئے جنتی زندگی کا آغاز ہو جائیگا اور وہ اسی زندگی میں خدا کے تقرب کی ٹھنڈک کو محسوس کرنے لگے گا۔"

پھر فرماتا ہے:۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون [2]

"یعنی جو لوگ دل سے خدائے واحد کو اپنا رب مان لیتے ہیں اور پھر اس عقیدہ پر پختہ طور پر جم جاتے ہیں ان پر اسی دنیا میں فرشتے نازل ہو کر انہیں تسلی دیتے ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو اور نہ کوئی غم کرو اور اس جنت کی اسی دنیا میں بشارت حاصل کرو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔

---

[1] سورۃ رحمٰن رکوع ۳ [2] سورۃ حٰم سجدہ رکوع ۴

مگر باوجود قرآن شریف میں ان آیات کو پڑھتے ہوئے مسلمان ان کے مفہوم سے بالکل بے خبر تھے اور دوسری قوموں کی طرح اس خام خیالی پر تسلی پائے ہوئے تھے کہ دنیا میں صرف عمل ہی عمل ہے اور جزا کا پہلو کلیتہً آخرت کے ساتھ مخصوص ہے حضرت مسیح موعودؑ نے اس باطل خیال کو سختی کے ساتھ رد فرمایا اور تشریح کے ساتھ بیان کیا کہ اگر دنیا میں صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور آخرت کی بہشتی زندگی کا کوئی اثر دنیا کی زندگی میں ظاہر نہیں ہوتا تو پھر یہ عمل وجزا کا سارا سلسلہ ایک جوئے کی کھیل سے زیادہ نہیں جس کے متعلق انسان کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا - آپ نے بڑے زور کے ساتھ لکھا کہ حقیقی نجات وہی ہے جس کا آغاز اسی دنیا سے ہو جاتا ہے اور سچا مذہب وہی ہے جو اپنے ماننے والوں کو اسی زندگی میں ایمان کا شیریں پھل چکھا دیتا ہے اور صرف آخرت کے موہوم وعدہ پر نجات کی بنیاد نہیں رکھتا - آپ نے دوسری قوموں کو بھی متنبہ فرمایا کہ وہ صرف آنے والی زندگی کے خالی وعدوں پر تسلی نہ پائیں - اور اگر ان کا مذہب ان کے لئے اسی دنیا میں جنتی زندگی کی داغ بیل قائم نہیں کرتا تو قبل اس کے کہ موت ان کیلئے تلاش کا رستہ بند کر دے وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور اس مذہب کی تلاش میں لگ جائیں جو آخرت کے وعدہ کے ساتھ ساتھ جنت کا کچھ نمونہ اس دنیا میں بھی پیش کر دیتا ہے - آپ نے لکھا کہ اسلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس پر ایمان لا کر اور اس کے حکموں پر چل کر انسان اسی دنیا میں خدا کو پالیتا ہے اور

یہ پانا ایک خیالی فلسفہ کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ ایک زندہ حقیقت کا رنگ رکھتا ہے یعنی اس مقام پر پہونچ کر خدا اپنے بندے کی دعاؤں کو سنتا اور اپنے کلام سے اس کو مشرف کرتا اور اس کے لئے اپنی قدرت کے جلوے دکھاتا ہے اور ہر رنگ میں اس پر ثابت کر دیتا ہے کہ میں تیرا زندہ اور قادر خدا ہوں اور میری نصرت کا ہاتھ تیری زندگی کے ہر قدم میں تیرے ساتھ ہے۔ ایسے شخص کیلئے آخرت کی زندگی ایک خالی وعدہ نہیں رہتی بلکہ دنیا کی زندگی کا ایک خوشکن تسلسل بن جاتی ہے۔ اور گو بہر حال مکمل اور تفصیلی اجر کا گھر تو آخرت ہی ہے۔ مگر اس کی جھلک اسی دنیا میں نظر آجاتی ہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے مخالفوں کو بلایا کہ آؤ اور میرے ساتھ ہو کر اس بہشتی جھلک کا نظارہ دیکھ لو۔ [1]

قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں:

مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی غلطیاں آگئی تھیں وہاں ایک غلط خیال ان میں یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ نعوذ باللہ سارا قرآن شریف قابلِ عمل نہیں بلکہ اس کی بعض آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس گندے عقیدے نے یہاں تک زور پکڑا تھا کہ بعض لوگوں نے تو قرآن شریف کی کئی سو آیات منسوخ قرار دے دیں اور اس خیال نے بعض بڑے بڑے عالموں کے دل و دماغ پر بھی قبضہ پالیا۔ اس طرح نہ صرف خدا کی اس وسیع رحمت کو جو قرآن شریف کے ذریعہ نازل ہوئی

[1] اس اصول کی تشریح کیلئے دیکھو حضرت مسیح موعود کی کتب کشتی نوح اور لیکچر لاہور اور براہین احمدیہ حصہ پنجم وغیرہ

محدود کر دیا گیا بلکہ نسخ کے دروازہ کو کھول کر گویا سارے قرآن کو ہی یقین اور قطعیت کے مقام سے گرا کر شک کے گڑھے میں اتار دیا گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بڑی سختی کے ساتھ اس بیہودہ عقیدہ کو رد فرمایا اور لکھا کہ جن لوگوں نے قرآنی آیات کو منسوخ قرار دیا ہے یہ ان کی اپنی کم علمی اور کوتہ نظری کی علامت ہے کیونکہ اگر انہیں کسی آیت کے معنے واضح نہیں ہوئے تو انہوں نے اسے اپنی کم فہمی کی طرف منسوب کرنے کی بجائے قرآن کی طرف منسوب کر دیا۔ آپ نے لکھا کہ کسی آیت کا منسوخ ہونا تو درکنار قرآن شریف کا ایک نقطہ اور شعشہ بھی منسوخ نہیں اور الحمد سے لے کر والناس تک سارا قرآن واجب العمل اور سراسر رحمت ہی رحمت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :—

”جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے کسی حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اس کیلئے پکڑے نہ جاؤ۔“[۱]

پھر فرماتے ہیں :—

”علماء نے تسامحت کی راہ سے بعض احادیث کو بعض آیاتِ قرآنی کا ناسخ قرار دیا ہے ......

... لیکن حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں کیونکہ اس سے اسکی تکذیب لازم آتی ہے۔“[۲]

---

[۱] کشتیٔ نوح صہ۲۳ [۲] الحق لدھیانہ صہ۹۱

قرآن شریف کو حدیث پر فضیلت ہے:—

ایک اور بڑی غلطی جو مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھی یہ تھی کہ مسلمانوں کے ایک معتدبہ حصہ نے عملاً یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ حدیث قرآن شریف پر حاکم اور قاضی ہے اور اگر کسی صحیح حدیث سے کوئی بات ثابت ہو جاوے اور قرآن کی کوئی آیت اس کے خلاف ہو تو پا تو آیت کو منسوخ سمجھ لینا چاہیئے اور یا حدیث کے مطابق آیت کے معنے ہونے چاہئیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس عقیدہ کو بڑی سختی کے ساتھ رد فرمایا اور لکھا کہ اصل چیز جس پر اسلام کی بنیاد ہے وہ قرآن شریف ہے نہ کہ حدیث جو آنحضرت صلعم کے ڈیڑھ دو سو سال بعد عالم وجود میں آئی ہے آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ خدا کا خاص حفاظت کا وعدہ ہے جو حدیث کے ساتھ ہرگز نہیں۔ پس قرآن کے مقابل پر حدیث کو کوئی وزن حاصل نہیں اور جو حدیث کسی قرآنی آیت سے ٹکرائے اور تطابق کی کوئی صورت نہ ہو سکے تو وہ اس سے زیادہ حق نہیں رکھتی کہ اسے غلط سمجھ کر ردی کی طرح پھینک دیا جائے۔ آپ نے لکھا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی حدیث آنحضرت صلعم کا قول ہے اور پھر بھی ہم اسے رد کرتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کا قول ہی نہیں اور غلط طور پر آپؐ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

اسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اور لطیف حقیقت کا بھی انکشاف فرمایا اور وہ یہ کہ آپ نے بتایا کہ قرآن شریف اور حدیث کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی ہے جس کا نام سنت

ہے۔ آپ نے لکھا کہ یہ جو مسلمانوں کا عام طریق ہے کہ حدیث کو ہی سنت
کا نام دے دیتے ہیں یہ درست نہیں بلکہ سنت ایک بالکل جدا چیز ہے
جسے حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جہاں حدیث ان زبانی اقوال
کا نام ہے جو راویوں کے ذریعہ آنحضرت صلعم کے ڈیڑھ دو سو
سال بعد جمع کئے گئے وہاں سنت کسی قولی روایت کا نام نہیں
بلکہ آنحضرت صلعم کے اس تعامل کا نام ہے جو حدیثوں کے واسطے
سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے مجموعی تعامل کے ذریعہ ہمیں پہونچا ہے۔ مثلاً
قرآن شریف میں نماز کا حکم نازل ہوا۔ اور پھر اس کی عملی صورت
کو آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی میں کر کے بتا دیا کہ نماز اس طرح
پڑھنی چاہیئے۔ اور یہ عملی صورت کسی روایت کے ذریعہ نہیں بلکہ
مسلمانوں کے مسلسل تعامل کے ذریعہ بعد کے لوگوں تک پہونچی۔ یہ وہ
چیز ہے جس کا نام سنّت ہے اور جو حدیث سے بالکل الگ ہے۔

اس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے گویا اسلامی تعلیم کے تین ماخذ قرار
دیئے **اوّل** قرآن شریف جو خدا کا کلام ہے اور آنحضرت صلعم کے
زمانہ میں ہی پوری طرح محفوظ ہو کر یقینی اور قطعی شہادت کے ساتھ ہم
تک پہونچا ہے **دوسرے** سنت یعنی آنحضرت صلعم کا عمل جو کسی
زبانی روایت کے ذریعہ نہیں بلکہ مسلمانوں کے مسلسل تعامل کے واسطے
سے نیچے آیا ہے اور **تیسرے** حدیث جو ان اقوال کے مجموعہ کا نام ہے
جو راویوں کے سینے سے جمع کئے جا کر آنحضرت صلعم کے ڈیڑھ دو سو سال
بعد ضبط میں آئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ میں حدیث کے رتبہ
کو کم نہیں کرنا چاہتا اور اپنی جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلعم

کی طرف منسوب ہونے والی صحیح حدیثوں کو انتہائی عزت سے دیکھے اور ان پر عمل کرے۔ مگر بہرحال حدیث کا مرتبہ قرآن و سنّت کے مقابل پر بہت ادنیٰ ہے اور اگر قرآن و حدیث میں کوئی تعارض پیدا ہو اور تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکے تو لازماً قرآن کو اختیار کر کے حدیث کو ترک کر دیا جائے گا کیونکہ حدیث قرآن پر قاضی نہیں بلکہ قرآن حدیث پر قاضی ہے۔

قرآن شریف کے معانی غیر محدود ہیں :۔

ایک اور نہایت اہم اور نہایت لطیف انکشاف جو حضرت مسیح موعودؑ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جس نے اسلامک ریسرچ میں گویا انقلابی صورت پیدا کر دی اور نئے علوم کے لئے ایک نہایت وسیع دروازہ کھول دیا یہ تھا کہ آپ نے خدا سے علم پا کر اعلان فرمایا کہ جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں خیال کیا جاتا ہے یہ بات ہرگز درست نہیں کہ قرآن شریف کے معانی اس محدود تفسیر میں محصور ہیں جو حدیث یا گذشتہ مفسرین نے بیان کر دی ہے بلکہ قرآن کے معانی غیر محصور اور غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ اور خدا نے یہ انتظام اس لئے فرمایا ہے کہ تا ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن شریف کے نئے نئے معانی ظاہر ہو کر اسلام کی صداقت پر دلیل بنتے رہیں اس مضمون کو واضح کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک نہایت لطیف مثال بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ جس طرح یہ مادی عالم ہمیشہ سے ایک ہی چلا آیا ہے مگر اس کے مخفی خزانے غیر متناہی ہیں اور ان کا ظہور کسی ایک زمانہ کے ساتھ وابستہ نہیں رہا بلکہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق صحیفۂ فطرت کے مخفی خزانے نئے نئے رنگ میں ظاہر ہوتے

رہے ہیں اسی طرح قرآن شریف بھی جو ایک روحانی عالم ہے اپنے اندر غیر متناہی خزانے رکھتا ہے جن کا ظہور کسی ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں مثلاً آدم کے وقت میں بھی یہی مادی دنیا تھی اور پھر موسیٰ کے وقت میں بھی یہی دنیا تھی۔ اور پھر آنحضرت صلعم کے وقت میں بھی یہی دنیا تھی اور اب موجودہ زمانہ میں بھی یہی دنیا ہے مگر باوجود اس کے اس مادی دنیا نے اپنے سارے مخفی خزانے ایک وقت میں باہر نکال کر نہیں رکھ دیئے بلکہ کچھ حقائق آج سے ہزاروں سال پہلے ظاہر ہو گئے تھے اور کچھ درمیانی زمانہ میں ظاہر ہوئے اور بہت سے اب موجودہ زمانہ میں ظاہر ہو رہے ہیں حالانکہ یہ صحیفۂ فطرت پہلے بھی وہی تھا جو اب ہے۔ اسی طرح آپ نے لکھا کہ قرآن شریف گو بظاہر ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر اللہ کی حکیمانہ قدرت نے اسے ایک روحانی عالم کی صورت دی ہے اور یہ مقدر کیا ہے کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن کے مخفی حقائق و معارف ظاہر ہوتے رہیں بلکہ جس طرح موجودہ زمانہ میں مادی عالم کے خزانوں کے اظہار کا خاص طور پر زور ہے اور دنیا اپنی گوناگوں مخفی طاقتوں کو باہر نکال نکال کر مخلوق کی خدمت میں لگا رہی ہے اسی طرح موجودہ زمانہ کے لئے یہ بھی مقدر تھا کہ اس میں قرآن کے روحانی خزانے بھی پورے زور اور کثرت کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں تاکہ ان مادی طاقتوں کا مقابلہ ہو سکے جو مادی لوگوں کی غلطی اور کم فہمی کی وجہ سے روحانی طاقتوں کے مقابلہ کے لئے استعمال میں لائی جا رہی ہیں۔

الغرض حضرت مسیح موعودؑ نے اس خیال کو سختی کے ساتھ رد فرمایا

کہ قرآن شریف کی تفسیر سابقہ معانی پر ختم ہو چکی ہے اور بڑے زور دار رنگ میں لکھا کہ صحیفۂ فطرت کے خزانوں کی طرح قرآنی علوم بھی غیر محدود ہیں اور کبھی ختم نہیں ہونگے مگر ان کا انکشاف ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ ہوگا۔ اسی طرح آپ نے اس اعتراض کا بھی قلع قمع کر دیا جو اس زمانہ میں نئی روشنی کے دلدادگان کی طرف سے حامیانِ اسلام کے خلاف کیا جاتا تھا کہ تم ہمیں ایک ایسی کتاب کی طرف لے جانا چاہتے ہو جو آج سے تیرہ سو سال پہلے نازل ہوئی تھی کیونکہ اگر آدم کے وقت کا مادی عالم آج کے ترقی یافتہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا روحانی عالم موجودہ زمانہ کی روحانی ضروریات کے لئے کیوں کافی نہیں ہو سکتا۔؟ ہاں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مادی دنیا کے سائنس دانوں کی طرح کوئی روحانی استاد اس روحانی عالم کی گہرائیوں میں سے نئے نئے خزانے نکال کر دنیا کے سامنے لائے اور حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ میری بعثت کی یہی غرض ہے کہ میں موجودہ زمانہ کی روحانی پیاس کو ایک پرانے برتن میں سے تازہ شراب نکال کر بجھاؤں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہیئے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا جو ہر ایک قوم اور ہر ایک اہلِ زبان پر روشن ہو سکتا ہے جس کو پیش کر کے ہم ہر ایک ملک کے آدمی کو خواہ وہ ہندی ہو یا پارسی۔ یورپین ہو یا امریکن۔ یا کسی اور ملک کا ہو ملزم و ساکت ولاجواب کر سکتے ہیں وہ غیر محدود معارف وحقائق وعلوم حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے

ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلح سپاہیوں کی طرح کھڑے ہیں.......... اے بندگانِ خدا یقین رکھو کہ قرآن شریف میں غیر محدود معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر اک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے اور ہر اک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعوٰی کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ کوئی شخص برہمو ہو یا بدھ مذہب والا یا آریہ یا کسی اور رنگ کا فلسفی کوئی ایسی الٰہی صداقت نکال نہیں سکتا جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اور جس طرح صحیفۂ فطرت کے عجائب و غرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں یہی حال ان صحفِ مطہرہ کا ہے تا خدا تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو۔" [1]

پھر فرماتے ہیں :۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بذاتِ خود معجزہ ہے اور بڑی بھاری وجہ اعجاز کی اس میں یہ ہے کہ وہ جامع حقائقِ غیر متناہیہ ہے مگر بغیر وقت کے وہ ظاہر نہیں ہوتے بلکہ جیسے جیسے وقت کے مشکلات تقاضا کرتے ہیں وہ معارفِ خفیہ ظاہر ہوتے

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۱

جاتے ہیں۔ دیکھو دنیوی علوم جو اکثر مخالفِ قرآن اور غفلت میں ڈالنے والے ہیں کیسے آجکل ایک زور کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں اور زمانہ اپنے علوم ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں کیسی ایک عجیب طور کی تبدیلیاں دکھلا رہا ہے کیا ایسے نازک وقت میں ضرور نہ تھا کہ ایمانی اور عرفانی ترقیات کے لئے بھی دروازہ کھولا جاتا تا شرور محدثہ کی مدافعت کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی۔ سو یقیناً سمجھو کہ وہ دروازہ کھولا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تا قرآن کریم کے عجائباتِ مخفیہ اس دنیا کے متکبر فلسفیوں پر ظاہر کرے۔"[1]

نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا:۔

ایک اور بڑی اصلاح جو حضرت مسیح موعودؑ نے مسلمانوں کے خیالات میں فرمائی وہ مسئلہ نبوت کے متعلق تھی۔ کئی صدیوں کے تنزل کے زمانہ میں ہمتوں کے پست ہو جانے کی وجہ سے اور بعض قرآنی آیات اور احادیث کا غلط مطلب سمجھنے کے نتیجہ میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اب کوئی شخص نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس خیال نے مسلمانوں کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ امتِ محمدیہ میں نبوت کے اجراء کو آنحضرت صلعم کے لئے باعثِ ہتک اور اسلام کے لئے موجبِ ذلت خیال کرنے لگے تھے حضرت مسیح موعودؑ نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ یہ عقیدہ بالکل خلافِ

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۷۷

تعلیم اسلام اور خلاف عقل ہے بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی ایسے نبی کا آنا جو آپؐ کے خادموں میں سے ہو اور آپ کی وساطت سے نبوت کا انعام پائے اور اس کی بعثت کی غرض اسلام کی تجدید اور اسلام کی اشاعت ہو آنحضرت صلعم کی شان کو گرانے والا نہیں۔ بلکہ بلند کرنے والا اور اسلام کی اکملیت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے مخالفین نے اس نکتہ کی قدر نہیں کی ورنہ وہ حضرت مسیح موعود پر اعتراض کرنے کی بجائے آپ کے شکر گذار ہوتے کہ آپ نے اس حقیقت کا انکشاف کرکے مسلمانوں کی جھکی ہوئی گردنوں کو بلند کر دیا۔ چونکہ اس مضمون پر ایک مفصل نوٹ اوپر گذر چکا ہے اس لیے ہم اس جگہ صرف اس قدر اشارہ پر اکتفا کر کے ہم اگلے سوال کو لیتے ہیں

الہام کی حقیقت:

سلسلہ الہام کے متعلق مسلمانوں کی اس غلطی کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کہ ان کا ایک معتد بہ حصہ اس زمانہ میں الہام کے دروازہ کو بند قرار دیتا تھا اس کے علاوہ الہام کے متعلق مسلمانوں کا ایک فریق اس غلطی میں بھی مبتلا تھا کہ الہام الفاظ کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اچھے خیالات جو انسان کے دل میں اچانک گذر جاتے ہیں وہی الہام ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس خیال کی سختی سے تردید فرمائی اور فرمایا کہ الہام اور وحی کی گو کئی اقسام ہیں مگر زیادہ ارفع اور زیادہ پختہ قسم لفظی الہام ہے جو خدا کی طرف سے اسی طرح انسان تک پہونچتا

ہے جس طرح کہ ایک دوسرے شخص کی آواز اس کے کانوں تک پہونچتی ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ قرآنی وحی بھی اسی نوع میں داخل تھی چنانچہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلعم پر "لفظاً" نازل ہوا تھا اور نہ صرف قرآن شریف کے معانی بلکہ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خدا کا کلام ہے۔ آپ نے بتایا کہ اگر محض دل کے اچھے خیالات کا نام الہام ہو تو اس طرح تو ہر مصنف اور ہر مقرر اور ہر شاعر اور ہر محقق اور ہر سائنسدان ملہم قرار پائے گا کیونکہ اس قسم کے فوری خیالات ہر ان کے دل پر گذرتے رہتے ہیں بلکہ اس تعریف کے ماتحت ایک چور بھی ملہم سمجھا جائیگا کیونکہ اس کے دل پر بھی بسا اوقات دوسروں کا مال لوٹنے کیلئے بڑے بڑے باریک اور اچھوتے خیالات گذر جاتے ہیں۔ غرض آپ نے اپنے تجربہ اور قرآنی آیات و احادیث سے ثابت کیا کہ الہام کی یہ تعریف بالکل غلط ہے اور حقیقی الہام وہی ہے جو خدا کی طرف سے معیّن الفاظ کی صورت میں انسان تک پہونچتا ہے اور یہ الہام اپنے ساتھ ایک خاص قسم کی شان اور لطافت اور تاثیر رکھتا ہے جو لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :-

"الہام سے یہ مراد نہیں کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جاوے جیسا کہ جب ایک شاعر شعر بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا مصرع سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑ جاتا ہے سو یہ دل میں پڑ جانا الہام نہیں بلکہ یہ خدا کے قانونِ قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے .... اگر صرف دل میں پڑ

جانے کا نام الہام ہو تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اٹھاتا ہے خدا کا ملہم کہلائے گا۔ دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دل میں پڑ جاتے ہیں۔ پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں؟ بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑنے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بعض اوقات فکر کرکے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خونِ ناحق کرنے کی اس کے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھ دیں؟ ہرگز نہیں .... الہام کیا چیز ہے؟ وہ پاک اور قادر خدا کا اپنے ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جسے وہ برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے..... خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے مل کر باہم کلام کرتا ہے اسی طرح ربّ اور اس کے بندے میں ہمکلامی واقع ہو۔"[1]
اور اپنا ذاتی تجربہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

---

[1] اسلامی اصول کی فلاسفی

وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع۔ میں ہر روز دیکھتا ہوں کہ جب مکالمہ الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اول یک دفعہ مجھ پہ ایک ربودگی طاری ہو جاتی ہے۔ تب میں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور میرے ہوش گو بگفتن باقی ہوتے ہیں مگر اس وقت میں یوں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقت نے میرے تمام وجود کو اپنی ہستی میں لے لیا ہے اور میں اس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں بلکہ اس کا ہے۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اس وقت سب سے پہلے خدا تعالیٰ دل کے ان خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے ...... اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال دل کے سامنے آیا تو ...... جھٹ اس پر ایک ٹکڑا کلام الٰہی کا شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اس کے گرنے کے ساتھ ہی تمام بدن ہل جاتا ہے۔"[1]

اس تحریر میں حضرت مسیح موعودؑ نے الہام کی جو قسم بیان فرمائی ہے یہ وحیٔ الٰہی کی متعدد اقسام میں سے ایک قسم ہے اور دوسری جگہ آپ نے دوسری اقسام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مگر بہرحال آپ نے اس خیال کو سختی کے ساتھ رد فرمایا ہے کہ دل میں گذرنے والے خیالات کا نام ہی الہام ہے اور آپ نے اپنی متعدد کتب میں الہام الٰہی کی اقسام اور اس کی شناخت بیان

[1] برکات الدعا

اور اس کے پرکھنے کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں مگر اس مختصر رسالہ میں ان سارے مضامین کی گنجائش نہیں۔

جہاد کی حقیقت:

ایک اور اہم مسئلہ جس میں موجودہ زمانہ کے مسلمان سخت غلطی میں مبتلا تھے جہاد کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کا عام طور پر یہ خیال ہو رہا تھا کہ دین چونکہ ایک سچائی ہے اس لیئے اس کے معاملہ میں جبر کرنا جائز ہے اور یہ کہ اسلام نے دوسری قوموں کے خلاف تلوار اٹھانے کی تحریک کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک مہدی کو مبعوث کریگا جو روئے زمین کے تمام کافروں کے ساتھ جنگ کرکے یا تو انہیں مسلمان بنالیگا اور یا تلوار کی گھاٹ اتار دیگا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن و حدیث اور عقل خداداد سے اس بات کو ثابت کیا کہ یہ عقیدہ صحیح اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف اور دنیا میں سخت فتنہ و فساد کا باعث ہے قرآن شریف صاف اور صریح الفاظ میں تعلیم دیتا ہے کہ لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ[1] یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے اور قرآن و حدیث اور تاریخ ہر سہ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار کو تہ تیغ کرنے یا ان کو جبراً مسلمان بنانے کے لیئے تلوار نہیں اٹھائی تھی بلکہ کفار کے مظالم اور خونی کارروائیوں سے تنگ آکر محض دفاع کے طور پر تلوار اٹھائی تھی۔ اور مہدی کے متعلق حضرت مسیح موعود

---

[1] سورہ بقرہ رکوع ۳۴

نے ثابت کیا کہ یہ خیال قطعاً درست نہیں کہ اسلام نے کسی خونی مہدی کا وعدہ دیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے کوئی ایسی خبر نہیں دی۔ بیشک آپؐ نے ایک مہدی کی پیشگوئی فرمائی تھی مگر ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ مہدی اور مسیح موعود ایک ہی وجود ہیں اور یہ کہ جنگ کرنا تو درکنار مسیح موعود ایسے زمانہ میں ظاہر ہوگا کہ جو امن کا زمانہ ہوگا اور اس کی جنگ دلائل اور براہین کی جنگ ہوگی نہ کہ نیزہ و تلوار اور تیر و تفنگ کی۔

آپؐ نے فرمایا کہ خدائی پیشگوئیوں میں بسا اوقات استعارہ کے رنگ میں کلام ہوتا ہے مگر ناسمجھ لوگ اسے حقیقت پر محمول کر لیتے ہیں چنانچہ مسیح و مہدی کے متعلق جو اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ اس کے دم سے کافر مریں گے یا یہ کہ وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کریگا وغیرہ وغیرہ اس سے کم علم لوگوں نے خیال کر لیا کہ شاید ان الفاظ میں ایک جنگ کرنے والے مصلح کی خبر دی گئی ہے حالانکہ یہ سب استعارے تھے جن سے نشانات اور دلائل کی جنگ مراد تھی نہ کہ تیر و کمان کی جنگ۔ چنانچہ اگر ایک طرف مسیح و مہدی کے متعلق اس قسم کے جنگی الفاظ بیان ہوئے ہیں تو دوسری طرف اسلامی پیشگوئیوں میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ مسیح کا کام امن کے طریق پر ہوگا اور اس کے زمانہ میں جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔ علاوہ ازیں جب قرآن شریف نے اصولی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر جائز نہیں تو اب کسی پیشگوئی کے ایسے معنے کرنا جو اس اصولی تعلیم کے خلاف ہوں ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ عقلاً بھی آپ نے بتایا کہ جبر کا طریق نہ صرف فتنہ و فساد

کا طریق ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں کبھی بھی دلوں کی اصلاح جو دین کی اصل غرض و غایت ہے نہیں ہو سکتی

آپ نے فرمایا کہ بیشک جہاد کا مسئلہ سچا اور برحق ہے مگر اصل جہاد نفس کا جہاد اور تبلیغ کا جہاد ہے اور تلوار کا جہاد صرف ان حالات میں جائز ہے جب کہ کوئی قوم اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے ان کے خلاف تلوار اٹھائے اس صورت میں بیشک ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ امام وقت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اسلام سے اس خطرہ کو دور کرے اور تلوار کا جواب تلوار سے دے۔ مگر یونہی غازی نام رکھ کر کفار کو مارتے پھرنا یا لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے تلوار اٹھانا اسلام کی تعلیم اور اسلام کی روح اور اسلام کی غرض و غایت سے اسی طرح دور ہے جس طرح ایک بوسیدہ روئیدگی کی بو تازہ پھولوں کی خوشبو سے دور ہوتی ہے۔

موجودہ زمانہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ اس وقت نہ صرف وہ حالات موجود نہیں جن میں جہاد بالسیف جائز ہوتا ہے بلکہ خدا نے اپنے مسیح کو بھیج کر اس زمانہ میں امن کا سفید جھنڈا بلند کیا ہے پس جو شخص اب بھی خونی جہاد کے خیال کو ترک نہیں کریگا اس کیلئے ذلت اور ناکامی مقدر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئیگا	اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائیگا
فرمایا ہے سیّد کونین مصطفٰے	عیسٰے مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئیگا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا	جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسو مٹائیگا

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

وفات مسیح اور عدم رجوع موتیٰ:

ایک اور غلط عقیدہ جس کی حضرت مسیح موعودؑ نے اصلاح فرمائی وہ حضرت مسیح ناصری کی حیات کا عقیدہ تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت مسیح ناصری فوت نہیں ہوئے بلکہ خدا نے ان کو صلیب کے واقعہ سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا تھا اور وہ آخری زمانہ میں زمین پر دوبارہ نازل ہونگے۔ حضرت مسیح موعود نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا کہ یہ عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح اپنے ملک سے نکل کر کشمیر کی طرف آ گئے تھے اور وہیں ایک سو بیس سال کی عمر میں اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے۔

اسی ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی ثابت کیا کہ یہ خیال کہ اگر حضرت مسیح ناصری فوت بھی ہو چکے ہیں تو پھر بھی خدا انہیں دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں واپس لے آئیگا بالکل غلط اور خلافِ منشاء اسلام ہے کیونکہ قرآن و حدیث صراحت کے ساتھ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ کوئی شخص ایک دفعہ مر کر پھر اس دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آ سکتا بلکہ دوسری زندگی کے لئے آخرت کا گھر مقرر ہے۔ اس مضمون کی بحث بھی چونکہ اوپر گذر چکی ہے اس لئے اس جگہ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

معراج کی حقیقت :

مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ یہ عقیدہ رکھتا تھا اور رکھتا ہے کہ آنحضرت صلعم معراج کی رات اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے تھے اور وہاں سارے آسمانی طبقوں کی سیر کر کے زمین پر واپس تشریف لائے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس خیال کی بھی تردید فرمائی اور ثابت کیا کہ بیشک معراج برحق ہے اور آنحضرت صلعم آسمان پر ضرور تشریف لے گئے مگر آپؐ کا یہ صعود اس جسم عنصری کے ساتھ نہیں تھا بلکہ ایک نہایت لطیف قسم کا روحانی کشف تھا جس میں آپؐ کا جسم مبارک اس کرۂ ارض سے جدا نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعود نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا کہ جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے کا خیال بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ چنانچہ قرآنی بیان کے علاوہ ایک صحیح حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے کہ آسمانوں کی سیر کے بعد آنحضرت صلعم نیند سے بیدار ہو گئے اور یہ بھی ذکر آتا ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلعم کا جسمِ مبارک اپنی جگہ سے جدا نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تشریح فرمائی کہ اس قسم کے خیالات کی طرف وہی لوگ جھکتے ہیں جو عجوبہ پسندی اور شعبدہ بازی کے شائق ہوتے ہیں حالانکہ اسلام کی غرض شعبدہ بازی نہیں بلکہ انسان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح ہے۔ بے شک لوگوں میں یقین پیدا کرنے کے لئے معجزات کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن معجزات بھی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور بہرحال جس چیز کے متعلق قرآن شریف اور حدیث نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ وہ

ایک اعلیٰ روحانی چیز تھی اسے خواہ نخواہ کھینچ کر مادی اور سفلی میدان میں لانے کی کوشش کرنا کسی طرح درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ معراج کے کشف میں آیندہ کے لئے بعض نہایت لطیف پیشگوئیاں تھیں اور گویا تصویری زبان میں آنحضرت صلعم کو اپنی اور اپنی امت کی آیندہ ترقیات کا نظارہ دکھایا گیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا کے کوتہ بینوں نے اسے اس کے اعلیٰ اور اشرف مقام سے گرا کر محض ایک شعبدہ قرار دیدیا

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :-

"سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیئے ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے پس چونکہ آنحضرت صلعم کی نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ پر پہونچی ہوئی تھی اس لئے آپ اپنی معراجی سیر میں معمورہ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے پہونچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری سے بھی یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں پر مولف خود صاحب تجربہ ہے مگر اس جگہ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔" [1]

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۳۲

اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات :۔

موجود الوقت مسلمانوں میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں جن کی تعداد ایک حدیث نبوی کی رو سے تہتّر تک پہونچتی ہے۔ مگر موٹے طور پر دیکھا جاوے تو مسلمانوں کے اندرونی فرقوں کی تقسیم اس طرح پر ہے کہ ایک بڑا فرقہ اہل سنّت والجماعت کا ہے اور دوسرا فرقہ شیعہ اصحاب کا ہے۔ پھر اہل سنّت میں یہ تقسیم ہے کہ ایک فرقہ اہل فقہ یعنی مقلدین کا ہے اور دوسرا اہل حدیث کا ہے اور تیسرا اہلِ تصوف یعنی اہل طریقت کا ہے۔ اس طرح موٹے طور پر یہ چار فرقے بنتے ہیں یعنی اہل فقہ۔ اہل حدیث۔ اہل تصوف اور شیعہ

حضرت مسیح موعودؑ نے ان فرقوں کے متعلق بھی اپنی تصنیفات میں متعدد جگہ تبصرہ فرمایا ہے خلاصہ جس کا یہ ہے کہ آپ نے شیعہ اصحاب کو اس بات میں سخت غلطی پر قرار دیا کہ انہوں نے خلافتِ راشدہ سے انکار کرکے اور صحابہ کی پاک جماعت پر طعن کی زبان کھول کر اسلام میں ایک سخت رخنہ پیدا کر دیا ہے اور کئی باتوں میں سنّتِ نبوی سے منحرف ہو کر گویا ایک نئی عمارت کھڑی کر دی ہے۔ اہلِ سنّت کے تین مشہور فرقوں میں سے آپؑ ہر ایک میں کئی جہت سے خوبیاں تسلیم فرماتے تھے مگر فرماتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ بعض پہلوؤں سے جادۂ صواب سے منحرف ہو گیا ہے۔ مثلاً اہلِ فقہ نے تقلید میں ایسا اندھا دھند طریق اختیار کر لیا ہے کہ وہ اپنے مقررہ امام کے قول کے خلاف قرآن وحدیث

تک کا کوئی استدلال سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور اہل حدیث نے یہ غلطی کی ہے کہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل ہی وسیع کر دیا ہے اور جو واجبی وزن علماء اور ائمہ کے اقوال کو ہونا چاہیئے اس سے بھی انہیں محروم کر دیا ہے بلکہ بعض صورتوں میں ائمہ کرام کی ہتک کا طریق اختیار کیا ہے اور اہل تصوف کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ آہستہ آہستہ شریعت کے ظاہر سے ہٹ کر بعض بدعتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں مگر باوجود اس کے حضرت مسیح موعودؑ ان جملہ فرقوں کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم فرماتے تھے اور شیعہ اور سنی ہر دو فرقوں کے بزرگوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

جماعت احمدیہ کی عملی اصلاح :

یہ وہ عقاید ہیں جن پر حضرت مسیح موعودؑ نے خدا سے حکم پاکر سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ ان کے علاوہ بعض اور عقاید بھی ایسے ہیں جن میں جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے مگر زیادہ اہم اور زیادہ معروف عقاید یہی ہیں جو ہم نے اوپر بیان کر دئے ہیں۔ اگر احمدیت کے ان مخصوص عقاید کو اسلام کی مشترک اور مسلم تعلیم کے ساتھ ملا کر دیکھا جاوے تو جماعت احمدیہ کے اصولی عقاید کا ایک اجمالی نقشہ مکمل ہو جاتا ہے۔

مگر کوئی مذہبی سلسلہ صرف عقاید کی اصلاح تک اپنے کام کو محدود نہیں رکھ سکتا کیونکہ مذہب کی بڑی غرض و غایت اعمال کی اصلاح ہے اور دنیا میں کوئی قوم کامل ترقی حاصل

نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ عقائد کے ساتھ ساتھ اعمال کی بھی اصلاح نہ کرے اور الحمد للہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور روحانی تاثیر کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ نے اس میدان میں بھی غیر معمولی نمونہ پیش کیا ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ ہم میں کوئی شخص بھی کمزور نہیں۔ بیشک ہم میں بعض لوگ کمزور ہیں۔ لیکن بعض کا کمزور ہونا جماعت کی مجموعی حیثیت کو گرا نہیں سکتا۔ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ مدرسہ کی اچھی سے اچھی کلاس میں بھی سب طالب علم ایک سے نہیں ہوتے۔ پس دیکھنا یہ چاہیئے کہ بحیثیت مجموعی کسی جماعت کا کیا حال ہے۔ اور یقیناً اس معیار کے مطابق جماعت احمدیہ کا مقام دوسری تمام جماعتوں سے نمایاں طور پر بلند و بالا ہے۔ عبادات میں معاملات میں قربانی میں تبلیغی جوش میں جماعت احمدیہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے جس کی مثال اس زمانہ میں کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی

عبادات میں یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو پہلے کبھی فرض نماز تک کے قریب نہیں جاتے تھے اب وہ ایسے نمازی بن گئے ہیں کہ اگر ان سے کبھی تہجد کی نفلی نماز بھی رہ جاوے تو گھنٹوں ان کے دل پر غم کا بوجھ رہتا ہے جو لوگ رمضان کے مبارک مہینہ میں ایک روزہ بھی نہیں رکھتے تھے اب وہ رمضان کے علاوہ بھی سال میں کئی کئی دن نفلی روزے رکھتے ہیں اور پھر بھی ان کی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسری عبادتوں کا حال ہے

معاملات میں بھی ایک غیر معمولی تغیر نظر آتا ہے جو لوگ کئی کئی

قسم کی کمزوریوں میں مبتلا تھے اور انصاف کا خون کرنا اور دوسروں کے حقوق غصب کرنا ان کا شیوہ تھا اب وہ بالکل ہی نئے انسان بن گئے ہیں اور وفاداری اور انصاف اور دیانت ان کا امتیازی نشان ہے۔ ہزاروں لوگ جو احمدیت سے پہلے طرح طرح کی کمزوریوں کا شکار تھے اب وہ عملاً ولیوں کی طرح زندگی گذار رہے ہیں۔ ان معاملات میں نام لے کر مثالیں دینا اچھا نہیں ہوتا مگر ناظرین کو اس بات کا اندازہ کرانے کے لئے کہ احمدیت نے کیا تغیر پیدا کیا ہے میں اس جگہ دو مثالیں بغیر نام لینے کے بیان کرتا ہوں۔ ایک صاحب ضلع سیالکوٹ پنجاب کے رہنے والے ہیں وہ سرکاری ملازمت میں تھے اور احمدیت سے پہلے انہوں نے حسب دستورِ زمانہ لوگوں سے بے دریغ رشوت لی۔ مگر جب خدا نے انہیں احمدیت سے مشرف کیا تو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کے ماتحت اس کمزوری کو نہ صرف یکدم ترک کر دیا بلکہ جن جن لوگوں سے رشوت لی تھی ان سب کے گھروں پر جا جا کر ان سے معافی مانگی اور رشوت کا سارا روپیہ واپس کیا اور جب اپنی پونجی ختم ہو گئی تو جدّی جائداد فروخت کر کے حساب بیباق کیا۔ ایک اور صاحب ضلع گجرات کے تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ یہ صاحب احمدیت سے پہلے اپنے علاقہ کے مشہور ڈاکو اور رہزن تھے اور جتھوں میں ہو کر نہایت دلیرانہ وارداتیں کیا کرتے تھے لیکن احمدیت کے بعد ان میں ایسا تغیر آیا کہ میں نے خود انہیں ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ ان کی زبان پر اکثر خدا اور اس کے رسول کا ذکر رہتا تھا اور اپنا اکثر وقت عبادت اور خدمتِ دین میں گذارتے تھے۔

مالی قربانی کا یہ حال ہے کہ جن لوگوں کو احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے خدا کی راہ میں ایک پیسہ تک خرچ کرنا دو بھر تھا اب وہ اس رستہ میں پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں اور اس قربانی میں انہیں دلی خوشی محسوس ہوتی ہے جماعت کے اکثر افراد پابندی کے ساتھ اپنی کل آمد کا دسواں حصہ خدا کے رستے میں دیتے ہیں اور بہت ہیں جو پانچواں یا تیسرا حصہ دیتے ہیں اور بعض یقیناً اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ یہ باتیں محض قیاسی نہیں بلکہ جماعت کے چندوں کے رجسٹرات سے ان کا ثبوت مل سکتا ہے اور میں یہ بات خوش عقیدگی سے نہیں کہتا بلکہ ذاتی علم کی بناء پر ایک حقیقت بیان کرتا ہوں کہ جماعت کا کثیر حصہ ایسا ہے جس کے لئے وہ مال جو وہ دین کے رستے میں خرچ کرتا ہے اس مال سے بہت زیادہ خوشی کا موجب ہوتا ہے جو وہ اپنے لئے رکھتا ہے۔

یہی حال جان کی قربانی کا ہے۔ جماعتِ احمدیہ کا ہر مخلص فرد دین کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہے اور اس وقت کے لئے بیتاب ہے جب اسے دین کے رستے میں خدا کی آواز پر لبیک کہنا پڑے۔ ہندوستان میں تو ملکی حالات کی وجہ سے ایسے موقعے نہیں پیش آئے لیکن بعض بیرونی حکومتوں میں کئی احمدی اپنے عقاید کی وجہ سے جان سے مارے گئے ہیں اور انہوں نے اس قربانی کو خوشی کے ساتھ قبول کیا۔ کابل کی حکومت میں جماعت کے دو معزز افراد کو احمدیت کی وجہ سے زمین میں کمر تک دفن کر کے اوپر سے پتھر برسائے گئے مگر انہوں نے خدا کی حمد کے گیت گاتے ہوئے جان دی اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی لغزش نہیں کھائی۔

تبلیغی جوش کا یہ عالم ہے کہ ہر مخلص احمدی ایک پرجوش مبلغ ہے اور تبلیغ کو اپنا ایک مقدس فریضہ سمجھتا ہے۔ عالم ہے تو وہ مبلغ ہے اَن پڑھ ہے تو وہ مبلغ ہے۔ بچہ ہے تو وہ مبلغ ہے بوڑھا ہے تو وہ مبلغ ہے۔ مرد ہے تو وہ مبلغ ہے عورت ہے تو وہ مبلغ ہے۔ غرض ہر مخلص احمدی اپنی سمجھ اور بساط کے مطابق اس پیغام حق کو پھیلانے میں مصروف ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ دنیا تک پہونچا ہے اور یہ تبلیغی جد وجہد ان کثیر التعداد منظم مشنوں کے علاوہ ہے جو جماعت احمدیہ کی زیر نگرانی دنیا کے مختلف حصوں میں قائم ہیں۔ یقیناً یہ نقشہ ایک عظیم الشان عملی تبدیلی کا ثبوت ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی روحانی تاثیر نے جماعت احمدیہ میں پیدا کی ہے اور اگر حضرت مسیح ناصری کا یہ قول درست ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو لاریب حضرت مسیح موعودؑ کے شیریں پھل نے بتا دیا ہے کہ یہ درخت بندوں کا نہیں بلکہ خدا کا لگایا ہوا ہے حضرت مسیح موعودؑ اپنی جماعت کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں۔ اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزارہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرہ پر

صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ ہاں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ہزار ہا آدمی دل سے فدا ہیں اگر آج ان کو کہا جائے کہ اپنے تمام اموال سے دستبردار ہو جاؤ تو وہ دستبردار ہو جانے کے لئے مستعد ہیں۔ پھر بھی میں ہمیشہ ان کو اور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں۔ اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سناتا مگر دل میں خوش ہوں"[1]

یہ ایک حسن ظنی اور خود بینی کی رائے نہیں تھی جو ایک امام نے اپنی جماعت کے لئے خود قائم کرلی ہو بلکہ غیر لوگ اور دشمن تک جماعت احمدیہ کی اس تبدیلی کو تسلیم کرتے ہیں۔

غیروں کی بعض آراء:

مسٹر محمد اسلم جرنلسٹ لکھتے ہیں:۔

"اس جماعت کے اکثر افراد بمقابلہ باقی اسلامی فرقوں کے زہد و تقوی میں بہت بڑھے ہوئے ہیں اور ان میں اسلام کی محبت کا جوش ایک صادقانہ پہلو لئے ہوئے ہے۔۔۔۔

۔۔۔۔ قرآن مجید کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اس جماعت میں میں نے دیکھی ہے کہیں نہیں دیکھی۔۔۔۔

[1] خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مرتد

....جو کچھ میں نے قادیان میں جا کر دیکھا وہ خالص اور بے ریا توحید پرستی تھی۔"[1]

مسٹر فریڈرک جرمن سیاح لکھتے ہیں :۔

قادیان دہلی اور آگرہ کی طرح شاندار عمارات کا مجموعہ نہیں لیکن ایک ایسی جگہ ہے جس کے روحانی خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے یہاں ہر دن جو گزارا جائے انسان کی روحانیت میں اضافہ کرتا ہے ...... میں نے ایشیا میں ایک لمبا سفر کیا ہے اور بہت مقامات دیکھے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں پھر دیکھنے کو دل چاہتا ہے اور ایسے مقامات میں قادیان کا نمبر سب سے اول ہے۔"[2]

پادری ایچ کریمر امریکن مشنری لکھتے ہیں :۔

"مسلمانوں میں صرف یہی جماعت ہے جس کا واحد مقصد تبلیغ اسلام ہے اگرچہ ان کی طرز تبلیغ میں کسی قدر سختی پائی جاتی ہے تاہم ان لوگوں میں قربانی کی روح اور تبلیغ اسلام کا جوش اور اسلام کیلئے سچی محبت کو دیکھ کر دل سے بے اختیار تعریف نکلتی ہے ...... میں جب قادیان گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اسلامی جوش میں اور اسلام کی آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں۔"[3]

---

[1] بدر ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء

[2] ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۳۲ء

[3] مسلم ورلڈ اپریل ۱۹۳۱ء

مشہور عالم پادری زویمر نے جب قادیان کو دیکھا تو اسکے ادارے کا معائنہ کرکے یہ رائے ظاہر کی کہ:-

"یہ ایک اسلحہ خانہ ہے جو غیر ممکن کو ممکن ثابت کرنے کے لیئے تیار کیا گیا ہے۔ راسخ الاعتقادی کا یہ عالم ہے کہ وہ پہاڑوں کو جنبش دینے والی ہے"۔[1]

اخبار تیج دہلی میں ایک جوشیلے آریہ سماجی نے لکھا:-

"تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت صرف احمدیہ جماعت ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اسی کی طرف سے غافل ہیں...... بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا مگر اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقعہ پاکر ہمیں (آریوں کو) بالکل جھلس دیگی"۔[2]

احمدیت کی غرض و غایت:

جماعت احمدیہ کے عقاید بیان کرنے کے بعد ہم احمدیت کی غرض و غایت کے متعلق ایک مختصر نوٹ ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔ احمدیت کی بنیادی غرض و غایت اسلام کی تجدید اور اسلام کی خدمت اور اسلام کی اشاعت ہے۔ احمدیت کی غرض و غایت سے ہماری یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ احمدیت

---

[1] چرچ مشنری ریویو لنڈن [2] تیج ۲۵ر جولائی ۱۹۲۷ء

کے ذریعہ کن خیالات کی اشاعت چاہتا ہے اور کس طریق کو قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس جگہ احمدیت کی غرض وغایت سے اس کا منتہیٰ اور مقصد اور اس مقصد کے حصول کا طریق مراد ہے

سو اس تعلق میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ احمدیت کسی سوسائٹی کا نام نہیں ہے جو ایک اصلاحی پروگرام کے ماتحت قائم کی گئی ہو اور نہ ہی وہ دنیا کے نظاموں میں سے ایک نظام ہے جس کا مقصد کسی خاص سکیم کا اجراء ہو۔ بلکہ وہ خالصتہً الٰہی تحریک ہے جو اسی طریق اور اسی منہاج پر قائم کی گئی ہے۔ جس طرح قدیم سے الٰہی سلسلے قائم ہوتے آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب دنیا کے لوگ اپنے خالق و مالک کو بھلا کر اور اپنی پیدائش کی غرض وغایت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے دنیا کی باتوں میں منہمک ہو جاتے ہیں اور قربِ الٰہی کی برکات سے محروم ہو کر اس اخلاقی اور روحانی مقام سے نیچے گر جاتے ہیں جس پر خدا انہیں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پاک بندے کو مبعوث کر کے انہیں پھر اپنی طرف اٹھاتا ہے اور ان کے اخلاق اور ان کے تہذیب و تمدن کو ایک نئے قالب میں ڈھال کر ایک جدید نظام کی بنیاد قائم کر دیتا ہے۔ یہ اسی قسم کا انقلاب ہوتا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں ہوا یا جس طرح حضرت مسیح ناصری کے وقت میں ظہور میں آیا یا جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رونما ہوا کہ خدا نے ان مقدس نبیوں کے ذریعہ ایک بیج بو کر بالآخر اسی بیج کے نتیجہ میں دنیا کی کایا پلٹ دی۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت بھی کسی اصلاحی سوسائٹی کے

قیام کی صورت میں نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایک وقتی دنیوی نظام کا رنگ رکھتی ہے بلکہ وہ ایک جدید اور مستقل الہٰی نظام کی داغ بیل ہے جس کے لئے یہ مقدر ہے کہ وہ آہستہ آہستہ سارے نظاموں کو مغلوب کر کے دنیا کو ایک نئی صورت میں ڈھال دیگا۔

یہ نظام ملکی اور قومی حدود میں مقید نہیں (کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اپنے مخدوم نبی کی طرح ساری دنیا کے لئے تھی۔) بلکہ تمام ملکوں اور سب قوموں اور سارے زبانوں کے لئے وسیع ہے۔ اور جو انقلاب احمدیت کے پیش نظر ہے وہ دو پہلو رکھتا ہے **اول** خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کے تعلق کو ایک نئی بنیاد پر قائم کر دینا جس میں خدا تعالیٰ کا وجود ایک خیالی فلسفہ نہ ہو بلکہ ایک زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر لے اور انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ سچ سچ پیوند ہو جاوے **دوسرے** بندوں بندوں کا باہمی تعلق بھی ایک نئے قانون کے ماتحت نیا رنگ اختیار کر لے جس میں حقیقی مساوات اور انصاف اور تعاون اور ہمدردی کی روح کا قوام ہو۔ یہ تبدیلی اسلامی تعلیم کے ماتحت اور اسی کے مطابق عمل میں آئیگی مگر اس کا اجراء اسی رنگ میں ہو گا جس طرح کہ تمام الٰہی سلسلوں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اس انقلاب کا خوب نقشہ کھینچتا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حالت کشف میں دیکھا کہ میرے اندر خدا حلول کر گیا ہے اور میرا کچھ باقی نہیں رہا بلکہ سب کچھ خدا کا ہو گیا ہے اور گویا میں خدا بن گیا ہوں اور پھر میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ:-

ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں"[1]

اس کشفی الہام سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اپنے اندر ایک نہایت اہم اور نہایت وسیع غرض وغایت رکھتی ہے اور وہ غرض وغایت یہی ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام کو توڑ کر اس کی جگہ ایک بالکل نیا نظام قائم کر دیا جاوے۔ اس کشف میں آسمان سے مراد حقوق اللہ اور زمین سے مراد حقوق العباد ہیں۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ جو انقلاب مقدر ہے وہ لوگوں کے دین اور دنیا دونوں پر ایک سا اثر انداز ہوگا اور گویا اس جہان کا آسمان بھی بدل جائے گا اور زمین بھی بدل جائے گی۔ اور آسمان اور زمین کے الفاظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ تبدیلی ملکی اور قومی نہیں ہوگی بلکہ جس طرح یہ آسمان اور یہ زمین سارے جہان کے لئے وسیع ہیں اور سب پر حاوی ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ایک عالمگیر انقلاب پیدا ہوگا جس سے دنیا کا کوئی ملک اور دنیا کی کوئی قوم باہر نہیں رہے گی۔ یہ ایک بہت بڑا دعوٰی ہے۔ اور اس وقت اندھی دنیا ہمارے اس دعوے پر ہنستی ہے اور ایک زمانہ تک ہنستی رہے گی مگر مستقبل بتا دیگا کہ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

[1] آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۵ و کتاب البریہ صفحہ ۷۹

"میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے
وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا
اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" [1]

الغرض حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض وغایت اور منتہا یہ ہے کہ تجدیدِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کے کام کو اس رنگ میں مکمل کیا جاوے کہ دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو جاوے اور دنیا کے موجودہ نظام کو توڑ کر اور موجودہ تہذیب وتمدن کے نام ونشان کو مٹا کر صحیح اسلامی نظام اور صحیح اسلامی تہذیب کو قائم کیا جاوے تا کہ یہ دنیا جو اب مردہ روحانیت اور گندی تہذیب کی وجہ سے رہنے کے قابل نہیں رہی وہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کے نیچے آکر پھر بہشت کا نمونہ بن جاوے۔ دنیا اس دعوے پر بے شک جتنی چاہے ہنسی اڑائے اور اس کے رستہ میں جتنی چاہے روکیں ڈالے مگر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

یعنی یہ ایک خدائی تقدیر ہے جو ہر حال میں ہو کر رہے گی

---

[1] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵

احمدیت کا مستقبل:

ہر الٰہی سلسلہ دنیا میں ایک بیج کے طور پر قائم کیا جاتا ہے اس لئے اس کی ابتداء بہت چھوٹی ہوتی ہے مگر آہستہ آہستہ وہ ترقی کر کے ایک بہت بھاری درخت بن جاتا ہے۔ پس یہی ازلی قانون احمدیت کے لئے بھی مقدر ہے بلکہ احمدیت کے متعلق تو خاص طور پر یہ ذکر آتا ہے کہ اس کی ابتداء بہت ہی کمزوری کی حالت میں ہو گی اور ابتدائی مرحلوں میں اس کا بڑھاؤ بھی بہت آہستہ آہستہ ہو گا۔ مگر باوجود اس کے اس کا قدم ایسے رنگ میں اٹھے گا کہ باریک نظر سے دیکھنے والے اس کی اٹھان میں اس کی انتہا کی جھلک پا لیں گے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح ناصری کا مثیل آئیگا تو اس کے سلسلہ کی ابتداء اس کمزور کونپل کی طرح ہو گی جو زمین میں سے ایسی حالت میں نکلتی ہے کہ اس کا دیکھنا تک مشکل ہوتا ہے مگر اس کے بعد یہ سلسلہ آہستہ آہستہ بڑھتا جائیگا اور یہ نازک کونپل پہلے ایک کمزور سا پودا بنائے گی اور پھر درجہ بدرجہ درخت کی صورت اختیار کر کے بڑھتی جائیگی اور بالآخر ایک نہایت عظیم الشان درخت بن جائے گی نیز فرماتا ہے کہ اس کونپل کی اٹھان ایسی ہو گی کہ جہاں ایک طرف اس بیج کے بونے والے اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے وہاں اسے مٹانے والے اس کی بڑھوتی کو دیکھ کر غصہ سے بھرتے جائیں

گے۔[1] پس سلسلہ احمدیہ کی ترقی ایک پودہ کی طرح آہستہ آہستہ مقدر ہے مگر یہ ترقی ایسے رنگ میں ہونے والی ہے کہ دوست و دشمن اس کی اٹھان میں اس کے مستقبل کی کسی قدر جھلک دیکھ سکیں گے۔ چنانچہ ہمارے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت تک جو سلسلہ احمدیہ پر قریباً ستّر سال گذرے ہیں خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے ساتھ بعینہٖ یہی سلوک فرمایا ہے اور بالکل قرآنی نقشے کے مطابق جماعت کا قدم اٹھ رہا ہے

مگر اس جگہ ہم اپنے ناظرین کو کسی حد تک وہ نقشہ بھی دکھا دینا چاہتے ہیں جو جماعت کی آئندہ ترقی کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر پیشگوئیوں کے رنگ میں کھینچا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا۔ اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا اور دنیا میں **اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا** یہ اس خدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"[2]

اور پھر اپنی جماعت کی مجموعی ترقی کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس خدا کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور

---

[1] قرآن شریف سورہ فتح رکوع ۴ [2] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۶

برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا - وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر اک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا - اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی ....

دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا - میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں - سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا - اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے "[۱]

دوستو! یہ اس عظیم الشان درخت کی ایک چھوٹی سی جھلک ہے - جو احمدیت کے بیج سے پیدا ہونے والا ہے - اب تمہیں اختیار ہے - کہ چاہو تو بیج کو دیکھ کر ایمان لے

[۱] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۶ و ۶۵

آؤ اور چاہو تو درخت کا انتظار کرو۔ وما علینا اِلّا البلاغ - واٰخر دعوانا انِ الحمد للہ ربّ العٰلمین ٭

تمّت بالخیر